اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

کتابچہ نمبر 23

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور
حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے
کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 23

(شعبان۔1445ھ) بمطابق (البدر۔اُحد۔1402 شمسی ہجری)
بمطابق (فروری۔ مارچ۔2024ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمَّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1 ۔بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
گلی نمبر 4 ۔نزد آشیانہ چوک۔اللہ آباد ۔ویسٹرج 3 ۔راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالی	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	6
4	کلام: روح عاشق ہے	7
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	8
6	جدید دور کے فتنوں سے آگاہی	11
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	23
7	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	40
8	توضیح المعارف (قسط 12)	63
9	خانقاہ کے شب و روز	71

دیباچہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کے ماہانہ کتابچے "شاہرائے معرفت" کا تئیسواں شمارہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔

شمارے کی ابتدا حمد و نعت سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں چند نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں، ان میں پہلا مضمون "مطالعۂ سیرت بصورتِ سوال" کے عنوان سے ہے جس میں شعبان کے مہینے میں روزے رکھنے کی سنت پر عمل کی ترغیب دلائی گئی ہے دوسرے مضمون میں ماہ شعبان کی فضیلت اور شب برات کی اہمیت، فضیلت، اس کے ثبوت اور اس رات کو صحیح معنوں گزارنے اور اس سے استفادہ کرنے پر تفصیلاً بات کی گئی ہے۔

گزشتہ شمارے میں "توضیح المعارف" کی قسط نمبر 11 شامل کی گئی تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت میں سائنس کی افادیت اور اس کی حد کو بیان کرنے کے بعد خالق و مخلوقات کے باہمی تعلق کو ایک خاص مثال سے سمجھانے کی کوشش کی گی تھی۔ اس شمارے میں قسط نمبر 12 شامل کی جارہی ہے جس میں فاطر و مفطور کے درمیان اتحاد اور مغایرت کو ایک جدید مثال کے ذریعے سمجھانے کے بعد تصوف کی چند اصطلاحات ذکر کی گئی ہیں۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں سے مختلف مکاتیب شریفہ اور ان کی تشریح کو کتابچے میں شامل کیا گیا ہے، جن میں تواضع،

ورع و تقوی، توبہ اور انابت کے بارے میں حضرت کی گراں قدر تعلیمات اور ان کی تشریح کو شامل کیا گیا ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سے درس نمبر 20 شامل کیا گیا ہے۔ جس میں گزشتہ درس میں حج کے بارے میں جو بات چل رہی تھی اس کو مکمل کرنے کے بعد قرآن مجید کے اسرار معانی اور حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معانئ قرآن کے متعلق علم کو بیان کیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل مدظلہ

حمد شریف

فضل تیرا ہو تو ہو شکر تیرا
گر نہ ہو فضل تو بس ہے اندھیرا

شکر بھی تیرے فضل سے ہو ادا
سب کچھ ترا ہے تو کیا ہے میرا

جان بھی تیری مرا جسم تیرا
یہ زندگی کا ہر ایک قسم تیرا

سانس بھی تیری زباں بھی تیری
اس پر چلے تو بس ایک اسم تیرا

یہ زندگی مری تو نے دی ہے
اس میں ہر چیز تری جو بھی ہے

وقت جو ہے وہ تری مہلت ہے
اس میں کامیاب ہوں کوشش اس کی ہے

دل بھی تیرا ہے کرلے اس کو قبول
اس پہ تیری ہو بس رحمت کا نزول

اس میں ہر آن تو رہے موجود
نہ ترے ذکر سے کبھی ہو زہول

📖: نورِ معرفت

نعت شریف

حاضر ترے قدموں میں سدا یہ غلام ہو

حاضر ترے قدموں میں سدا یہ غلام ہو
لاکھوں درود آپ پہ لاکھوں سلام ہو

قسمت جو مری چمکی تو حاضر ہوا یہاں
محشر میں بھی قدموں میں یوں میرا مقام ہو

میری تو سئیات ہی جھولی میں پڑی ہیں
اللہ کی معافی کا میسر انعام ہو

ہوجائے مرا ختم گناہوں کا سلسلہ
ہوجائے گر کرم یہ سلسلہ تمام ہو

ہو تیری محبت سے تری اتباع نصیب
بدعات سے خالی مرا ہر ایک کام ہو

شبیر ترے در پہ ہے حاضر زہے نصیب
اے کاش اسے نعمت یہ میسر مدام ہو

📖 : شاہراہِ محبت

نعت (کلام)

ہمارے نبی پر ہوں لاکھوں سلام
پڑھوں میں درود، ان پہ ہر صبح شام

میں سیرت پڑھوں ان کی، اس پر چلوں
میں دل میں رکھوں ان کی صورت مدام

خدا کے لئے میں خدا کا بنوں
مگر ہو طریقۂ خیر الانام

میں بدعت کو جوتی سے ٹھوکر لگا دوں
جو راسخ ہے دل میں سنت کا مقام

میں شبیر اپنے خدا سے یہ مانگوں
مجھے بھی پلا دے محبت کا جام

📖: نورِ معرفت

مطالعہ سیرت بصورت سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

سوال:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ شعبان کا مہینہ رمضان المبارک سے پہلے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقے اور رمضان المبارک کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی تیاری کے سلسلے میں شعبان میں زیادہ روزے رکھا کرتے تھے؟ اس سنت پر آج کل عمل کرنے کی کیا ترتیب ہو سکتی ہے؟

جواب:

اس کے بارے میں کم از کم مجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز منقول ہو، لہٰذا ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس وجہ سے کیا گیا ہے، لیکن شعبان کے ساتھ آپ ﷺ کا ایک خصوصی تعلق تھا، اس میں اس برکت کو حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ اس میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ ہمیں بھی اس برکت کو حاصل کرنے کے لئے اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کے طور پر یہ روزے رکھنے چاہئیں۔ چونکہ آپ ﷺ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، تو یہ آپ ﷺ کی سنت ہوئی۔ اس سنت پر ہم بھی عمل کر سکتے ہیں۔ بہر حال! چونکہ یہ سنتِ مستحبہ ہے، سنتِ مؤکدہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے، تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ کوئی رکھ لے، تو اس کی فضیلت ہے، لیکن اگر کوئی نہ رکھے، تو اس پر کوئی ملامت نہیں کرنی چاہئے۔ نہ ہی یہ کہنا چاہئے کہ میں تو رکھتا ہوں، فلاں نہیں رکھتا۔ کیونکہ جو ایسا کہے گا، تو اس پہ ملامت کی جائے گی کہ آپ نے اس طرح کیوں کہا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی اور فضیلت کا موقع دیا ہو۔ بعض لوگ ہوتے ہیں، جیسے نفل نماز

بہت کثرت سے پڑھتے ہیں، بعض لوگ صدقات بہت کثرت سے دیتے ہیں، بعض لوگ ذکر بہت کثرت سے کرتے ہیں، بعض لوگ دعوت و تبلیغ بہت کثرت سے کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کس کو کہیں گے کہ ٹھیک ہے اور کس کو کہیں گے کہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تو ہر ایک کا اپنا اپنا راستہ ہے۔ **ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا** کہ مومن کے ساتھ نیک گمان کرنا چاہئے۔ لہٰذا اپنے اوپر تو انسان کو سوءِ ظن کرنا چاہئے کہ پتا نہیں، میں اس کو صحیح کر بھی رہا ہوں کہ نہیں کر رہا۔ یا میری نیت ٹھیک ہے یا نہیں ہے۔ لیکن دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن کرنا چاہئے۔ اللہ جلّ شانہ ہم سب کو ایسے خیر کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خواتین بیان

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ"۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: 687)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ"۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: 2327)

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمَهٗ فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ"۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 1815)

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: "اَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِنْ مَّوْلُوْدِ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيْهَا اَنْ يُّكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ، وَفِيْهَا تَنْزِلُ اَرْزَاقُهُمْ"۔ (الدعوات الکبیر للبیہقی، حدیث نمبر: 530)

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: "اِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَتَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰى سَمَآءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ؟ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ؟ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ؟ اَلَا سَائِلٌ فَاُعْطِيَهٗ؟ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا؟ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ"۔ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: 3822)

قَالَ صَاحِبُهٗ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ وَمِنَ الْبِدَعِ الشَّنِيْعَةِ مَا تَعَارَفَ النَّاسُ فِيْ اَكْثَرِ بِلَادِ الْهِنْدِ مِنْ اِيْقَادِ السُّرُجِ وَوَضْعِهٖ عَلَى الْبُيُوْتِ وَالْجُدْرَانِ وَتَفَاخُرِهِمْ

بِذٰلِكَ وَاجْتِمَاعِهِمْ لِلَّهْوِ وَاللَّعْبِ بِالنَّارِ وَاِحْرَاقِ الْكِبْرِيْتِ، عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ هُوَ الظَّنُّ الْغَالِبُ، اِتِّخَاذٌ مِنْ رُسُوْمِ الْهُنُوْدِ فِيْ اِيْقَادِ السُّرُجِ عَلَى الدَّوَالِيْ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾ (الدخان: 3-5) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔

شعبان کا مہینہ شروع ہوا چاہتا ہے۔ شعبان کا مہینہ مبارک مہینوں میں ہے، لہٰذا اس کی برکت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز میں برکت ہوتی ہے، لیکن اس کو حاصل نہیں کیا جاتا اور بعض چیزوں میں برکت سمجھی جاتی ہے اور اس کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن ان میں وہ برکت نہیں ہوتی یا یقینی برکت نہیں ہوتی۔ شعبان کے مہینہ میں کچھ خاص باتیں ہیں، کچھ خاص مواقع ہیں، جن کا فائدہ حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی لا محدود نہیں ہے۔ محدود زندگی ہے، پتا نہیں کہ کب تک ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ جتنی سانسیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں، اتنی سانسیں پوری کریں گے اور جب وہ پوری ہو جائیں گی، تو جانا پڑے گا۔ درمیان میں کوئی relaxation نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں ایک ایک لمحہ سے، ایک ایک سیکنڈ سے، ایک ایک منٹ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ لیکن یہ ایک سوال ہو گا کہ کس طرح فائدہ اٹھائیں؟ مثلاً: آپ حج پہ چلے جائیں، تو آپ کا وہاں کا معمول یہاں والا معمول نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہاں پر کچھ الگ مقامات ہیں، جو یہاں نہیں ہیں اور اس میں جو کرنا ہے، وہ بتایا گیا ہے۔ ان کو چھوڑ کے اگر آپ یہاں کی چیزیں استعمال کریں گے، تو ان چیزوں کو ہم غلط نہیں کہیں گے، لیکن ہم کہیں گے کہ اب تم ادھر ہو، تو وہاں کے حالات کے مطابق وقت گزارو۔ آپ مدینہ منورہ چلے گئے، تو وہاں کے حالات کے مطابق وقت گزارو۔ یہ ہے مکانی فضیلت، یعنی جس مکان میں آپ جا رہے ہیں، جس جگہ پر جا رہے ہیں، اس کی برکت ہے۔ مثلاً: مکہ مکرمہ میں آپ تجارت کی نیت سے بھی چلے جائیں، تو آپ کی نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا ہو گا۔ حالانکہ آپ تجارت کے لحاظ سے گئے ہیں۔ لیکن جو بھی نیت ہو، آپ کو ثواب وہاں کے حساب سے ملے گا۔

لہٰذا ایک آدمی وہاں مکہ مکرمہ جاتا ہے، اس کو ہر نماز کا ایک لاکھ ثواب مل سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ نماز پڑھے ہی نہ، تو کتنا ثواب ملے گا؟ اس کو تو گناہ ملے گا اور وہاں کا گناہ بھی ایک لاکھ گنا ہے۔ لہٰذا وہاں نماز نہ پڑھنا یہاں نماز نہ پڑھنے کے برابر نہیں ہے اور وہاں کا نماز پڑھنا یہاں نماز پڑھنے کے برابر نہیں ہے۔ نماز پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے اور نماز نہ پڑھنے میں گناہ زیادہ ہے۔ مدینہ منورہ میں بھی یہی بات ہے کہ وہاں پر اچھے اوقات میں ہم نے دیکھا ہے کہ مسجد نبوی میں جب لوگ بات کرتے تھے، تو وہ اتنی ہلکی آواز سے کرتے تھے کہ بعض دفعہ کان کو قریب کرنا پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ اچھے خاصے بولنے والے لوگ ہوتے تھے، لیکن فطرتی طور پر ایک ادب کا معاملہ ہوتا تھا، اس لئے وہاں پر اس قسم کا طرز ہوتا تھا۔ گویا وہاں کا اپنا ماحول ہے، وہاں کے حساب سے کام کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال! یہ مکانی فضیلت ہے، مکانی فضیلت کو دیکھا جائے گا۔ یہاں پر بھی جب زمانی فضیلت کا وقت آ جائے، یعنی کوئی وقت ایسا آ جائے، جس میں فضیلت ہو، مثلاً: رمضان شریف آ جائے، تو رمضان شریف جہاں پر بھی ہے، اس کی اپنی برکات ہیں۔ مثلاً: غیرِ رمضان میں جو نفل پڑھتے ہیں، اگر آپ وہ رمضان شریف میں پڑھیں گے، تو فرضوں کا ثواب ملے گا اور فرض پڑھیں گے، تو آپ کو ستر فرضوں کا ثواب ملے گا۔ اس لحاظ سے رمضان شریف کی اپنی فضیلت ہے۔ ما شاء اللہ! شعبان کا مہینہ شروع ہوا چاہتا ہے، اس کی اپنی فضیلت ہے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ اس میں اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے کہ لوگ سمجھتے کہ اب تو آپ ﷺ افطار کریں گے ہی نہیں۔ میرے خیال میں ہم بڑے خوش نصیب ہیں کہ آج کل شعبان کا مہینہ سردیوں میں آ رہا ہے، سردیوں میں روزے رکھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اگر لوگ سنت کی نیت سے کہ آپ ﷺ روزے رکھتے تھے، تو ہم بھی رکھتے ہیں، تو وہ ہوں گے نفل، لیکن چونکہ طریقہ آپ ﷺ کا ہے، لہٰذا سنت کی حیثیت سے ہم کثرت کے ساتھ روزے رکھ سکتے ہیں۔ اور نہیں تو کم از کم دو سنتوں کو اکٹھا کر لیں کہ شعبان کی اور ساتھ پیر کا روزہ رکھ لیں، جمعرات کا روزہ رکھ لیں۔ اور آج کل یہ کوئی اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ایک رات آنے والی ہے، سبحانَ اللہ! وہ رات ہے پندرھویں شعبان کی، جس کو شبِ برات کہتے ہیں۔ برات

کا مطلب ہے؛ خلاصی۔ یعنی خلاصی کی رات۔ یعنی انسان گناہوں سے آلودہ ہو کر اللہ کی رحمت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ قریب آنا چاہتا ہے، تو شبِ برات کی عبادت کرے۔ شروع میں میں نے عربی میں جو احادیث شریفہ سنائی ہیں، ان کا ترجمہ بھی بتا دیتا ہوں، اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان میں کیا کہا گیا ہے۔

پہلی حدیث شریف:

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شمار رکھو شعبان کے چاند کا رمضان کے چاند کے لئے۔ یعنی جب شعبان کی تاریخ صحیح ہو گی، تو رمضان میں اختلاف کم ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعبان کے دنوں کی تحقیق اچھی طرح ہونی چاہئے۔ کیونکہ جب تحقیق اچھی طرح ہو گی، تو چاند نظر آئے گا یا نظر نہیں آئے گا۔ اگر نظر نہیں آیا، تو تیس پورے کر لو۔ کیونکہ آپ کو صحیح تاریخ کا پتا ہو گا، لہٰذا رمضان صحیح وقت پہ شروع ہو جائے گا۔

دوسری حدیث شریف:

رسول اللہ ﷺ شعبان کا اتنا خیال رکھتے کہ اور کسی ماہ کے چاند کا اتنا خیال نہیں فرماتے تھے۔

اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رمضان کے ایک دن یا دو دن پہلے سے روزہ نہ رکھے۔ (یعنی رمضان شریف کے آنے سے ایک دن پہلے یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔) مگر یہ ہے کہ وہ شخص کسی خاص دن کا روزہ رکھا کرتا ہو۔ مثلاً: پیر کا روزہ رکھتا ہو یا جمعرات کا روزہ رکھتا ہو۔ اور پیر اور جمعرات کو آخری دن آ گیا، تو آپ روزہ رکھ سکتے ہیں، کیونکہ آپ اس کے عادی ہیں، اس لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اور رمضان سے ایک دن پہلے وہ دن ہو، مثلاً: ہر پیر کو روزہ رکھنے کا معمول ہے اور انتیسویں شعبان کو پیر کا دن ہے، تو اس دن بھی روزہ رکھ لے۔ اور آپ ﷺ نے شعبان کی پندرھویں رات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس رات میں وہ سب بنی آدم لکھے جاتے ہیں جو اس سال میں پیدا ہوں گے اور جو اس سال میں مریں گے اور اسی رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ اس رات کا تکوینی امور کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہے۔ تکوینی امور

بیماری، کھانا، سیلابوں کا آنا، بارشوں کا ہونا، نہ ہونا اور زلزلے یا اس قسم کی دوسری چیزیں تکوینی ہوتی ہیں۔ بہر حال! اس رات کا تعلق تکوینی چیزوں کے ساتھ ہے، کیونکہ فرماتے ہیں کہ جس روح نے اس دنیا میں آنا ہے، اسی رات فرشتوں کو اس کا نام دے دیا جاتا ہے اور جس جس کا یہاں سے جانا لکھا ہوا ہے، اس کا نام بھی دے دیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ اس کے قائل ہیں۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر ہوا کہ جس کو جانا ہوتا ہے، اس رات سدرۃُ المنتھیٰ کے درخت سے اس کا پتہ گر جاتا ہے، تو حضرت نے فرمایا: اس آدمی کا کیا حال ہو گا، جس نے خود دیکھا ہو کہ اس کا پتہ گر گیا ہے اور اس سال حضرت کی وفات ہو گئی۔ گویا حضرت کو پتا چل گیا تھا کہ میں جا رہا ہوں۔ اس رات میں ان بنی آدم کا نام لکھا جاتا ہے، جنہوں نے رخصت ہونا ہے۔ اس لئے اس رات دعاؤں کی ضرورت ہے اور نیک اعمال کی ضرورت ہے۔ کیونکہ فرمایا کہ اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ کمال کی بات ہے کہ تشریعی امور اور تکوینی امور آپس میں ایک جگہ پہ ملتے ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: 41)

ترجمہ: "لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا"۔

لہٰذا جو فساد برپا ہو رہا ہے، یہ تکوینی ہے اور اعمال تشریعی ہیں۔ گویا ہمارے تشریعی اعمال پر عمل کرنے سے تکوینی فیصلے ہمارے حق میں آتے ہیں اور تشریعی اعمال صحیح طور پہ نہ کرنے کی وجہ سے تکوینی فساد کا ظہور ہوتا ہے۔ تو چونکہ اس رات تکوینی فیصلے ہونے والے ہیں، کیونکہ تشریعی تو انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں، لیکن تکوینی امور انسان کے بس میں نہیں ہیں۔ مثلاً: کوئی انسان چاہے کہ زلزلہ نہ آئے۔ یہ اس کے بس میں نہیں ہے۔ ہاں! دعا کر سکتا ہے، کیونکہ دعا تشریعی چیز ہے۔ لیکن کوئی اس کو روک نہیں سکتا، جو آ رہا ہے، وہ تو آئے گا۔ جو بیماری آنی ہے، وہ آئے گی۔ ہاں! دعا کر سکتے ہیں۔ دعا کرو۔ اس طرح اگر سیلاب آ رہا ہو، تو آ جائے گا۔ یہ بھی ایک تکوینی چیز ہے۔ لیکن اگر آپ اچھے اعمال کر کے اس کو رکوا سکتے ہو، تو رکواؤ۔ کیونکہ روکے گا تو اللہ تعالیٰ ہی۔ تو نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنی ہے، دعا کرنی ہے۔ اچھے عمل

کر کے اس کے ذریعے سے اللہ پاک سے رکوا سکتے ہیں۔ میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ جب طاعون کی وبا پھیلی، تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "نشر الطیب فی ذکر الحبیب" کتاب لکھنا شروع کر دی اور فرمایا: ہمارے اکابر کا طریقہ تھا کہ جب کبھی کوئی اس قسم کی وبا آتی، تو وہ سیرت پہ کام کر لیتے، تو اللہ تعالیٰ اس عذاب کو ہٹا دیتے۔ چنانچہ حضرت نے یہ کتاب ان دنوں لکھی ہے اور اس میں صاف لکھا ہے کہ الحمد للہ! جیسے کام جلدی ہوتا، صحیح ہوتا، تو اتنی اتنی ہمارے ہاں اموات کی تعداد کم ہو جاتی اور اگر اس میں سستی ہوتی، تو اموات کی تعداد زیادہ ہو جاتی۔ گویا کہ دکھا دیا گیا کہ کس طرح اس کے ساتھ یہ معاملہ وابستہ ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو ان ذرائع کو استعمال کرنا چاہئے، جو اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل کو کھینچ لیں، اور ان ذرائع سے بچنا چاہئے، جو اللہ تعالیٰ کے قہر اور غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ اس وقت لوگوں میں ایک بے باکی ہے، ایک بغاوت ہے، جس کا ظہور الیکشن میں ہو گیا، جو بالکل نظر آ گیا کہ کیسی بے باکی اور کیسی بغاوت کا سماں ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی ہو، ہم کیا کہہ سکتے ہیں، ہم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہم لوگوں کو اس بغاوت سے باہر آنا پڑے گا۔ ہم سیاسی لوگ نہیں ہیں، نہ سیاست کی بات کرتے ہیں، لیکن سیاست کے پیچھے کیا ہے، وہ ہم جانتے ہیں۔ الحمد للہ! در اصل قرآن اور حدیث سے جو طریقے ثابت ہیں، اسلامی سیاست ان طریقوں کو نافذ کرنے کی حکمت کا نظام ہے۔ یہ کوئی صدارت اور وزیر اعظم بننے کا نظام نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کے لئے وسائل ہیں۔ لہٰذا اگر اس سے آپ کا مقصود یہ نہیں ہے، تو آپ کی سیاست جاہلانہ سیاست ہے، اسلامی سیاست نہیں ہے۔ جاہلانہ سیاست میں کافر آپ سے آگے ہیں، آپ کیا اس پہ فخر کریں گے؟ لہٰذا ہمیں اس بغاوت سے نکلنا پڑے گا اور اگر کسی نے کوئی اس قسم کی غلطی کی، تو توبہ کرنی پڑے گی۔ جیسے فاسق کا ادب کرنے سے عرش لرزتا ہے۔ لیکن اگر ایک فاسق کو اپنا محبوب بنا لیا جائے، تو کیا ہو گا؟ ایک فاسق اور فاجر کے پیچھے پڑ کے لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ جہنم میں بھی چلے جائیں، تو ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ"۔ یہ کون سی بات ہے۔ یہ وہ بغاوت ہے، جو آج کل پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے میں ڈر رہا ہوں۔ باقی باتوں سے انسان نہیں ڈرتا، وہ تو ایک زندگی کے معمولات ہیں، وہ ہو سکتے

ہیں۔ لیکن جب اس قسم کی باتیں شروع ہو جائیں، تو پھر معاملہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کا مطلب کیا ہے؟ "لَآ اِلٰہَ" کا مطلب ہے؛ ہر چیز کو فنا کر دو سوائے اللہ کے، کسی کا خیال نہ رکھو سوائے اللہ کے۔ اگر کسی کا خیال رکھنا ہے، تو صرف اللہ کے لئے رکھنا ہے۔ کسی اور چیز کے لئے نہیں رکھنا۔ یہ سوچنا کہ مجھے دنیا میں فائدہ ہو جائے گا۔ فائدہ تو آپ کو اللہ پہنچائے گا۔ یہ کون ہے، جو تجھے فائدہ پہنچائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ فرماتے ہیں: اگر یہ سارے لوگ جمع ہو جائیں اور تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں اور اللہ کا ارادہ نہ ہو، تو نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر سارے لوگ جمع ہو جائیں اور تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں، کوئی چیز تم سے روکنا چاہیں، اللہ کا ارادہ نہ ہو، تو نہیں روک سکتے۔ فائدہ اور نقصان تو آپ کو اللہ دے گا، اس کے لئے آپ اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور روئیں۔ ہاں! ان چیزوں کی selection میں اور چننے میں اللہ پاک کو راضی کرنے کا جذبہ ہو کہ میں اس کو چنوں، جس سے اللہ راضی ہوتے ہوں۔ بہر حال! اس وقت بہت خطرناک صورت حال ہے اور لوگ بغاوت پر آمادہ ہیں۔ بالخصوص عورتیں اور نوجوان اس بلا میں زیادہ مبتلا ہیں۔ اس سے توبہ کرنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔

"اور اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں"۔ ایک ہوتا ہے وہ رزق، جو انسان کے لئے مفید بنے اور ایک ہوتا ہے وہ رزق، جو انسان کے لئے عذاب بنے۔ جو اچھے اعمال میں مصروف ہو گا، اس کے لئے وہ رزق نازل ہو گا، جو اس کے لئے مفید ہو گا۔ یہ بات سمجھنا کوئی آسان نہیں ہے۔ سلیمان علیہ السلام بھی بادشاہ تھے اور فرعون بھی بادشاہ تھا۔ دونوں میں فرق کیا تھا، ایمان اور کفر کا فرق تو تھا ہی۔ اس کے علاوہ یہ فرق ہے کہ سلیمان علیہ السلام جب کبھی اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر دیکھتے، تو شکر کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مجھے یہ چیز ملی ہے۔ اور فرعون کو جب اللہ تعالیٰ کی دعوت دی گئی، تو کہتا ہے کہ اے ہامان! میرے لئے کوئی اونچا گھر بناؤ، جس پہ چڑھ کر میں موسیٰ کا خدا دیکھ سکوں۔ یہ بھی بغاوت تھی۔ بہر حال! رزق وہ ہو، جس سے انسان کو شکر کی توفیق ملے اور وہ اس کے لئے خیر کے کاموں کا ذریعہ ہو جائے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب تھے، جو خود

اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ مزدور آدمی تھے، روزانہ چار آنے کماتے تھے، ایک پیسہ اپنے پہ خرچ کر لیتے تھے، ایک پیسہ خیرات کرتے تھے، ایک پیسہ رشتہ داروں پہ لگاتے تھے اور ایک پیسہ جمع کرتے۔ اتنے پیسے جمع ہو جاتے کہ وہ سال میں ایک بار اس وقت کے بزرگوں کی دعوت کرتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم ان کی دعوت کے لئے انتظار کرتے تھے کہ وہ مہینہ آئے گا، تو وہ ہماری دعوت کریں گے۔ کیونکہ ان کی دعوت سے ہمارے دل روشن ہو جاتے اور ہمیں عبادت میں بڑا مزہ ملنا شروع ہو جاتا، جی لگنا شروع ہو جاتا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ خود ان کا دل کتنا روشن ہو گا، جس کے مال میں اتنی برکت تھی۔ یہ بھی رزق ہے اور وہ بھی رزق ہے کہ کوئی کھائے، تو فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے اور پتا نہیں، کیا کیا کرنے لگے۔ بہر حال! اس رات لوگوں کے رزق نازل ہوتے ہیں اعمال کے حساب سے کہ جو ان کے اعمال ہوتے ہیں، ان کے حساب سے رزق اترتا ہے۔ اعمال اٹھائے جانے سے مراد ان کا پیش ہونا ہے اور رزق کے نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سال میں جو رزق ملنے والا ہے، وہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور گو یہ سب چیزیں بیشتر لوحِ محفوظ میں لکھی ہوتی ہیں، لیکن اس رات کو لکھ کر فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدھے شعبان کی رات ہو، تو اس رات کو شب بیداری کیا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروبِ آفتاب کے وقت ہی آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو روزی دوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ وہ عافیت کی دعا مانگے اور میں اس کو عافیت دوں؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ رات بھر یہی رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو جائے۔ یہاں پر ایک علمی بات ہے۔ وہ یہ ہے کہ احادیث شریفہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں، کچھ احادیث شریفہ صحیح ہوتی ہیں، صحیح سے مراد یہ ہے کہ ان کے راویوں میں کوئی کمزوری نہیں ہوتی۔ کچھ احادیث شریفہ ضعیف ہوتی ہیں کہ ان کے کسی نہ کسی روای میں کوئی کمزوری ہو۔ حدیث شریف کی ایک قسم موضوع بھی ہے یعنی وہ گھڑ لی گئی ہوتی ہے، حقیقت میں کوئی حدیث شریف نہیں ہوتی۔

موضوعات کے بارے میں تو علماء کرام نے کتابیں لکھی ہیں کہ یہ موضوعات میں سے ہے، لہٰذا ان کی طرف تو دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ علماء کرام بھی اس کو اس لئے دیکھتے ہیں کہ پتا چل جائے کہ یہ کیا ہے، ورنہ اس سے کوئی استفادہ نہیں ہوتا۔ اب رہ گئیں، ضعیف روایت اور صحیح روایت۔ صحیح روایات کسی چیز کے جائز نا جائز کے بارے میں جاننے کے لئے استعمال ہوتی ہیں، فقہی مسائل میں استعمال ہوتی ہیں، حلال حرام، جائز نا جائز کے مسائل ان سے ثابت ہوتے ہیں، ان سے فقہ بنتی ہے۔ اور ضعیف روایات کو فضائل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً: کسی چیز کی فضیلت آپ کو بیان کی جائے کہ آپ اگر یہ کام کریں گے، تو آپ کو اس کا اتنا اجر ملے گا۔ مثلاً: ایک حدیث شریف ایک خاص درود شریف کے بارے میں ہے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد اگر کوئی 80 مرتبہ یہ درود شریف پڑھ لے، تو اس کے 80 سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اس پہ جائز اور نا جائز کا انحصار نہیں ہے، اس کو اجر ملتا ہے۔ اجر اگر زیادہ کی بجائے تھوڑا مل جائے، تو پھر بھی مل تو گیا۔ مثلاً: اگر کوئی یہ درود شریف پڑھ لے، تو زیادہ نہ سہی، 80 مرتبہ درود شریف پڑھنے کا اجر تو اس کو مل ہی گیا۔ چنانچہ کچھ ضائع تو نہیں ہوا، کچھ کم نہیں ہوا۔ ہاں! یہ بات ہے کہ جتنا بتایا گیا، وہ نہیں ملا، لیکن 80 مرتبہ درود شریف پڑھنے کا اجر تو مل گیا، وہ تو کہیں نہیں گیا۔ بہر حال! اس طرح کی احادیث مبارکہ فضائل میں استعمال ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم نے اس حدیث شریف کے بارے میں بیان فرمایا ہے، جو مسجد بیت المکرم کراچی میں میں نے خود حضرت سے سنا ہے۔ جمعے کا دن تھا اور 15 شعبان کی رات آنے والی تھی۔ اسی پہ انہوں نے بیان فرمایا تھا۔ اس میں فرمایا کہ یہ احادیث شریفہ مختلف طرق سے وارد ہیں۔ جب ایک ضعیف روایت بھی مختلف طرق سے آ جائے، تو اس میں قوت آ جاتی ہے۔ چونکہ یہ حدیث بھی مختلف طرق سے صحابہ سے مروی ہے، لہٰذا اس میں قوت آ گئی، اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال! یہ میں نے اس لئے کہا کہ بعض لوگ اس کو ضعیف روایت سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن بعض لوگوں کے ساتھ کچھ ایسے واقعات ہو چکے ہوتے ہیں کہ جن سے ان کو اس پر کسی طرح یقین آ جاتا ہے کہ بات تو یہ ٹھیک ہے۔ اگرچہ علمی طور پر اتنی مستند نہیں ہے،

لیکن ہے تو ٹھیک۔ اس لئے میں بھی اس کا قائل ہوں کہ یہ رات معمولی رات نہیں ہے، بہت بڑی رات ہے۔ بڑے بڑے فیصلے اس میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر آپ ایک رات جاگ لیں، تو اس سے آپ کو کیا ہو جائے گا؟ فسق و فجور کے لئے لوگ جاگتے ہیں یا نہیں جاگتے؟ مختلف تماشوں کے لئے اور موبائل کے لئے اور پتا نہیں کن کن چیزوں کے لئے جاگتے ہیں۔ لیکن اس کی کسی کو توفیق نہیں ہوتی۔ اس کے لئے طریقہ یہ ہے کہ اول تو اپنے گھر کو ہی مسجد بناؤ، بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے گھر میں عبادت کرو۔ کیونکہ گھر میں عبادت کرنا مختلف وجوہات سے بہت اچھا ہے۔ اس لئے اپنے گھر کو ہی عبادت گاہ بناؤ۔ اگر گھر میں ماحول ایسا ہے، آپ دوسروں کو تبدیل نہیں کر سکتے، تو آپ کو لوگ تبدیل کر لیں گے۔ بعض دفعہ ایسی صورت حال ہوتی ہے۔ اور ایسی صورت حال میں ہجرت والا اصول تو ہے ناں۔ اس وقت ایک رات کی ہجرت کرنی چاہئے اور پھر انسان ایسی جگہ پہ آ جائے، جہاں ماحول بنا ہوا ہو۔ کیونکہ انسان ماحول سے اثر لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ مثلاً: مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب دامت برکاتہم کی مثال لے لیں۔ میں دارالعلوم کراچی میں تھا، پندرھویں شعبان کی رات آ گئی۔ میں دیکھنے لگا کہ ان حضرات کا کیا طریقہ ہے۔ تو عشاء کی نماز کے بعد مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب تشریف لائے، حضرت شیخ ہیں، ان کے بہت سارے مرید بھی آئے ہوئے تھے۔ حضرت نے کسی سے کچھ نہیں کہا، بس جا کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، بڑی لمبی نماز پڑھی، ان کے مرید بھی کھڑے ہو گئے، وہ اپنی اپنی نماز پڑھنے لگے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ کھڑے ہو گئے اور پھر دوبارہ نماز پڑھی، ان کے مرید بھی کھڑے ہو گئے، وہ بھی نماز پڑھنے لگے۔ اس طرح مسلسل نماز پڑھتے رہے۔ نہ کسی سے کوئی بات کی، نہ کسی سے کہا کہ کرو، نہ کسی سے کہا کہ نہ کرو۔ بس آئے اور اپنا عمل جاری رکھا اور ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ کرتے رہے۔ بتائیں! فائدہ ہوا یا نہیں ہوا۔ کیونکہ ایک ہوتا ہے؛ قولاً کہنا۔ ایک ہوتا ہے؛ عملاً کہنا۔ انہوں نے اپنے عمل سے کہہ دیا کہ جو وہ کرتے رہے، لوگ بھی ان کے پیچھے اس طرح کرتے رہے۔ میں خود اس کا چشم دید گواہ ہوں، میں ادھر موجود تھا۔ گویا اس رات کی اہمیت تو ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے علمی طور پر اشکالات کئے

ہیں، تو ان کو علم تک محدود رکھو۔ مثلاً: اگر اس کو آپ صحیح حدیث شریف کے طور پر لیں گے، تو یہ علمی غلطی ہو گی۔ لہٰذا وہ نہیں کرنی چاہئے۔ ہمارے حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو "فضائلِ اعمال" کتاب لکھی ہے، اس کو آپ کہیں سے بھی پڑھنا شروع کر لیں، حضرت ہر قسم کی احادیث شریفہ، صحیح احادیث شریفہ، قرآن کی آیات، حسن روایات، حسن لغیرہ روایات، ضعیف روایات، سب بیان کرتے ہیں اور ساتھ لکھتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ بس اپنی بات پوری کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ خواب بھی لکھے ہیں، حالانکہ خواب کون سی حدیث ہے، لیکن خواب بھی لکھے ہیں۔ کیوں کہ کچھ لوگ خوابوں سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے انہوں نے بزرگوں کے خواب بھی لکھے ہیں، جو ان کے پاس مستند طریقوں سے آئے ہیں۔ کیونکہ یہ practical لوگ ہیں، یہ theoretical لوگ نہیں ہیں۔ مناظروں اور بحثوں میں پڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ یہ تو لوگوں کو اعمال پہ لانے والے ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو عمل پہ لانے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ کرتے ہیں اور جو ادھر ادھر کی بحث اور مباحثہ ہوتا ہے، وہاں سے بہت آرام سے ہٹ کے چلے جاتے ہیں، اس میں پڑتے ہی نہیں ہیں۔ یہی بات میں بھی عرض کرتا ہوں کہ اس رات کے اندر تقریریں نہ کرو، تقریریں پہلے ہونی چاہئیں، جیسے ابھی ہو رہی ہے۔ تقریر پہلے ہونی چاہئے، لوگوں کو سمجھانا چاہئے کہ کیا کرنا چاہئے، کیا نہیں کرنا چاہئے۔ سب چیزیں سمجھانی چاہئیں اور پھر اس رات عمل ہونا چاہئے۔ اور دو قسم کے اعمال ہیں، ایک وہ دینی اعمال ہیں، جو اجتماعی طور پر ہوتے ہیں جو کہ ذریعہ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا۔ جیسے آپ کسی مدرسہ میں تعلیم دے رہے ہیں یا لے رہے ہیں، تبلیغی جماعت میں پھر رہے ہیں، جہاد کر رہے ہیں یا کوئی دینی سیاست کر رہے ہیں یا اس طرح کا کوئی عمل کر رہے ہیں، یہ سب دین کے شعبے ہیں، جس شعبے میں آپ ہیں، اگر صحیح نیت کے ساتھ آپ کر رہے ہیں، تو آپ کو اس کا فائدہ ہو گا۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں، جن سے یہ چیزیں جان دار ہوتی ہیں۔ مثلاً: آپ مدرسہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن لِلّٰہیت نہیں ہے، تو مدرسے میں بیٹھنے کا کتنا فائدہ ہو گا؟ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جو اعمال لِلّٰہیت لاتے ہیں، وہ ان کی جان ہیں، مدرسہ کے کام کی، تبلیغ کے کام کی، سیاست کے کام کی، جہاد کے کام کی، یہ اعمال ان کی جان ہیں۔ جیسے حج بذاتِ

خود ایک بہت بڑا عمل ہے، لیکن قرآن پاک میں حج کے بارے میں پڑھو کہ کیا فرمایا ہے کہ جب عرفات جاؤ، تو ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ جب واپس آ جاؤ، تو مزدلفہ میں ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ منیٰ میں آ جاؤ، تو ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر جان ہے۔ جو حاجی ذکر نہیں کرتا، حج تو اس کا ہو جائے گا، لیکن اس حج میں اصل میں جان نہیں ہو گی۔ یہی بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اعمال انسان کے ان اعمال کی جان ہیں، وہ اس رات کو ہونے چاہئیں۔ کیونکہ آپ کی پورے سال کے لئے screening ہو رہی ہے۔ لہٰذا جو چیزیں ان اعمال کی جان ہیں، وہ اس رات میں کرو، مثلاً: قرآن پاک کی تلاوت ہے، درود شریف کی کثرت ہے، استغفار ہے، کلمہ طیبہ کا ورد ہے، نماز ہے، دعائیں ہیں۔ یہ سب اعمال میں جان لانے والی چیزیں ہیں۔ تو ان راتوں میں یہ کام کیا کرو۔ آپ تقریر کریں گے، تو بے شک دین کی تقریر بھی آپ کر رہے ہیں، لیکن اس کا موقع یہ نہیں ہے۔ عموماً ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی مبارک راتوں میں جو اجتماعات ہوتے ہیں، ان اجتماعات میں تقریریں ہوتی ہیں۔ حالانکہ تقریروں کے لئے تو یہ رات ہے ہی نہیں۔ یہ رات تو اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے ہے۔ ہاں! طریقہ سکھا دو اور اس کے بعد پھر آپ خود کرتے رہیں۔ ما شاء اللہ! یہاں پر ہم کوشش کرتے ہیں کہ اس ترتیب پر کچھ رات گزاری جائے۔ ہمت اپنی اپنی ہے، لیکن اس ترتیب پر ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ایک طریقہ ہم عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے تو نہیں نکل سکتا۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ یکسانیت سے تنگ ہوتا ہے، ایک ہی چیز مسلسل کرنے سے اکتا جاتا ہے۔ مثلاً: ایک ہی کھانا بہت ہی اچھا کیوں نہ ہو، مسلسل کھائیں، تو اچھا نہیں لگے گا۔ کراچی میں مدرسہ ہے؛ معھد الخلیل، اس کے کچھ طالب علم ہمارے پاس آئے، تو کہتے ہیں کہ ہر وقت ہی گوشت ہوتا ہے۔ خدا کے بندو! لوگ گوشت کے پیچھے مر رہے ہیں، تم کہتے ہو ہر وقت گوشت۔ یہ وہی بات ہے۔ جیسے یہودیوں کو من و سلویٰ مل رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پیاز چاہئیں، فلاں فلاں چاہئے۔ بہر حال! یہ انسان کی فطرت ہے، اس سے انکار نہیں ہے۔ لیکن کیا اللہ پاک نے اس پر ان کی تعریف فرمائی؟ اس پر تعریف نہیں فرمائی، بلکہ کہا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اچھی چیز کو ہلکی چیز سے بدل رہے ہو۔ چنانچہ بعض دفعہ انسان

کی فطرت ہوتی ہے، لیکن آپ کو شریعت کی روشنی میں اپنی فطرت کی اصلاح بھی کرنی چاہئے، اس کے مطابق نہیں کرنا چاہئے۔ تو یہ فطرت ہے کہ یکسانیت سے انسان گھبرا جاتا ہے۔ جب یہ صورت حال ہے، تو اعمال ایک قسم کے تو نہیں ہیں۔ اکثر ہم عرض کرتے ہیں کہ خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت نفل پڑھ لو، اس کے بعد بیٹھ کر آدھا پارہ تلاوت کر لو، تلاوت کے بعد ذکر کر لو، اگر آپ تنگ ہو چکے ہو، تو کھڑے ہو کر چلتے پھرتے ذکر کرو، کیونکہ ثوابی ذکر ہے، یہ آپ چلتے پھرتے بھی کر سکتے ہیں، تاکہ آپ کے پیروں میں خون نہ جم جائے۔ اس کے بعد دعائیں کرو۔ اور پھر دوبارہ دو رکعت نفل پڑھ لو، اور پھر کوئی آدھا پارہ قرآن پاک کی تلاوت کر لو، پھر مختلف رنگ کے ذکر اذکار کر لو، اور پھر دعائیں کرو، دعاؤں کی کتاب ہے "مناجاتِ مقبول" جس میں قرآن اور حدیث کی دعائیں ہیں، اس کا ختم کر لو، ایک ایک منزل پڑھتے جاؤ۔ اس طرح آپ کا قرآن پاک بھی ماشاء اللہ کسی حد تک ہو جائے گا، ذکر بھی آپ کا ہو جائے گا اور ان شاء اللہ تھکاوٹ بھی نہیں ہو گی اور اگر پھر بھی تھکاوٹ ہو گئی، تو میرے خیال میں مشروبِ صالحین سے مدد لے سکتے ہیں یعنی چائے پی سکتے ہیں۔ چائے اپنے ساتھ تھرماس میں رکھ لیں اور آدھا کپ پی لیجئے گا، تو تازگی آ جائے گی۔ اور پھر آپ دوبارہ شروع کر لیں۔ اس طرح ماشاء اللہ آہستہ آہستہ آپ پوری رات عبادات کر سکتے ہیں۔ کیونکہ پوری رات کے لئے فرمایا گیا۔

آگے فرمایا کہ "ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کو بخش دوں؟ ہے کوئی روزی مانگنے والا کہ میں اس کو روزی دوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اس کو عافیت دوں؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ کوئی ایسا ہے؟ رات بھر یہی رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو جائے"۔ بہر حال! اس کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے، مردوں کے لئے تو یہی ہے کہ عبادات کے ماحول میں رہیں۔ جب کہ عورتیں تو باہر نہیں نکل سکتیں، عورتیں گھر کے اندر ہی رہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اپنے مردوں کے ساتھ تعاون کریں اور گھر کا ماحول بھی بہتر بنا دیں اور مرد بھی ادھر ہی رہیں اور آپ خواتین بھی ادھر ہی رہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، تو بہت فائدہ ہو گا۔ عورتوں کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر یہ ایک سے دو ہوں، تو ان کی بات چیت آپس میں رکتی نہیں ہے،

بات سے بات نکلتی ہے۔ میں نے مردوں کو بھی دیکھا ہے کہ مرد باتونی ہوتے ہیں، لیکن عورتیں تو اس حد تک باتونی ہوتی ہیں کہ سب بول رہی ہوتی ہیں اور سب سن رہی ہوتی ہیں، پتا نہیں چل رہا ہوتا کہ بول کون رہا ہے اور سن کون رہا ہے۔ بہر حال! ان راتوں میں کم از کم اپنی فطرت پہ کنٹرول کرو۔ آپ کا جی چاہے گا کہ آپ باتیں کریں، لیکن کبھی اپنی فطرت پر جبر کرنا پڑتا ہے، اس کو جبلّت کہتے ہیں۔ اپنی جبلت پر جبر کرنا پڑتا ہے، اسی پر اجر ملتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ لوگ تھوڑا سا اپنے وقت کا خیال کریں کہ یہ وقت بہت قیمتی ہے، پھر پتا نہیں، دوبارہ ہمیں یہ رات ملتی ہے یا نہیں ملتی، ایک سال میں بہت کچھ ہو جاتا ہے۔ تو اس سال ہمیں اللہ تعالیٰ نے اگر یہ عطا فرمائی ہے، اللہ نصیب فرمائے۔ تو اس کو پوری طرح کمانا چاہئے، درمیان میں مِس نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ جلّ شانہ ہم سب کو سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ روزے رکھتے ہوئے کسی ماہ میں نہیں دیکھا۔ یعنی رمضان کے علاوہ۔ کیونکہ رمضان میں تو روزے فرض ہیں، اس میں تو سب کو رکھنے ہوتے ہیں، اور شعبان میں نفل ہیں۔ لیکن آپ ﷺ خود اس میں کثرت کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کُل شعبان میں روزے رکھتے تھے، سوائے تھوڑے دنوں کے۔ لہٰذا ہمیں بھی آپ ﷺ کی زندگی کے نمونہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ اور یہ بھی آپ ﷺ کا طریقہ تھا۔ اور رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے شعبان کی پندرھویں رات میں، پس مغفرت فرما دیتے ہیں سب مخلوق کی، مگر مشرک اور کینہ والے شخص کی مغفرت نہیں فرماتے۔ یہ ابنِ ماجہ کی روایت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مگر دو شخص، ایک کینہ رکھنے والا اور ایک قتلِ ناحق کرنے والا۔ اور ایک روایت میں ہے: یا قطع رحم کرنے والا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نظرِ رحمت نہیں کرتے اس رات میں بھی مشرک کی طرف اور نہ کینہ والے کی طرف اور نہ قطع رحم کرنے والے (رشتہ ناطہ توڑنے والے) کی طرف اور نہ پائے جامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے کی طرف اور نہ ماں باپ کی نا فرمانی کرنے والے کی طرف اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف۔ البتہ اگر توبہ کر چکا ہے، تو رحمتِ خداوندی اس پر

بھی متوجہ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ گناہ ہیں، جن سے رحمت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ ایسے گناہوں سے تو فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر توبہ کر لی جائے، تو اس پہ گرفت نہیں کی جاتی۔ لہٰذا اسی رات توبہ کر لینی چاہئے اور پھر اعمال کرنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ بعض اور گناہوں پر بھی نظرِ رحمت نہ ہونا فرمایا ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں بھی آیا ہے۔ پس سب گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ سب روایتوں پر نظر ڈالنے سے یہ سامنے آتا ہے کہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اور صغائر سب اس رات کی برکت سے حق تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ گویا کبائر کے لئے توبہ ہے، توبہ سے سارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس لئے توبہ بھی کر لیں، اِس کا بھی فائدہ لیں اور اُس کا بھی فائدہ لیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ توبہ ایک ایسا حل ہے کہ اس کے سامنے کوئی گناہ نہیں ٹھہرتا۔ وہ اس رات کی برکت سے نصیب ہو جاتی ہے۔ جب یہ توبہ نصیب ہو جاتی ہے، تو وہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت دینے والے ہیں۔ ہم لوگوں کو اللہ پاک کے ساتھ تعلق بنانا چاہئے۔ اور آپ ﷺ سے اس رات نفل کی نماز کے سجدہ میں یہ دعا مروی ہے: "أَعُوْذُبِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ، وَأَعُوْذُبِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"۔

ترجمہ: "تیرے غصہ سے تیری رضا مندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عذاب سے عتاب سے در گزر کرنے کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں۔ برتر ہے تیری ذاتِ مقدس۔ میں تیری ثناہ کو شمار نہیں کر سکتا، تو ویسے ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی ہے"۔

اس روایت میں یہ دعا بھی ہے طوالت کے خوف کی وجہ سے نقل نہیں کی اور ما ثبت بالسنہ کے بارے میں فرمایا کہ بیہودہ بدعات میں سے ایک یہ ہے جو کہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں پھیلی ہوئی ہے یعنی چراغوں کا جلانا، ان کا مکانوں اور دیواروں پر رکھنا اور اس پر فخر کرنا کہ ہم نے زیادہ روشنی کی ہے اور لوگوں کا کھیل کود کے لئے جمع ہونا اور آگ کے ساتھ کھیلنا اور آتش بازی کرنا۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے۔ جاہل مسلمانوں نے اس کو لیا ہے۔ واقعتاً ہم نے خود اپنے گاؤں

میں یہ چیزیں دیکھی ہیں۔ اب تو شاید نہیں ہوں گی، لیکن اس وقت با قاعدہ کپڑے کی بال بنا لیتے اور اس کو مٹی کے تیل میں ڈبو لیتے تھے اور پھر اس کو آگ لگاتے اور اس کو پھینکتے اور کچھ لوگ اپنے پیروں سے اور کچھ ڈنڈوں سے اس کو اس طرح بھگاتے جاتے تھے اور اس پہ ہلّا گُلّا کرتے تھے۔ گویا شیطان ایسا ظالم ہے کہ وہ ہر خیر کے موقع کو آپ کے لئے خراب کرنے کے لئے کوئی ترکیب بنائے گا۔ اتنی اچھی رات میں آپ یہ کام کیسے کر رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے، اگر آپ نے کچھ کرنا بھی ہے، تو اس کے مطابق تو ہو۔ یہ تو ہندوؤں کی باتیں ہیں۔ لیکن بہر حال! لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر خیر کے کام پر اگر محنت جاری نہ رکھی جائے، تو وہ خیر کا کام کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ ختم ہو جاتا ہے۔ بالآخر وہ ایک برائی کی صورت اختیار کرتا ہے اور وہ برائی کی صورت بڑھتی جاتی ہے، بڑھتی جاتی ہے اور بہت بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً: ایک بزرگ فوت ہو گیا، اس کے غم میں جو لوگ لپٹے ہوئے ہیں، وہ اپنے غم میں تسلی پانے کے لئے ان کے یومِ وفات پر جمع ہوتے ہیں اور ان کی تعلیمات سنتے ہیں۔ ان کے خلفاء ان کی تعلیمات لوگوں کو سناتے ہیں۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے۔ لیکن ہوتے ہوتے عرس بن جاتا ہے اور عرس میں صرف عرس کے ماننے والے نہیں آتے ہیں، بلکہ اور لوگ بھی جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی پہلے اس طرح کرتے ہیں، لیکن آہستہ آہستہ وہ اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں بھی لے آتے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں انسان کی ضرورت تو ہوتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کے بعد آہستہ آہستہ لوگ کھیل کود کے سامان بھی لے آتے ہیں۔ جیسے حج کے موقع پہ ہوتا ہے۔ جب آپ اپنے ہوٹل سے آتے ہیں، خانہ کعبہ آتے ہیں یا مسجد نبوی تشریف لاتے ہیں، تو راستے میں پورا ہلے گلے کا سامان موجود ہوتا ہے۔ حالانکہ وہاں اس چیز کا کیا تعلق! لیکن ہوتا ہے اور لوگ اسی میں پھر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح آہستہ آہستہ یہ کھیل کی چیزیں شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر کھیل سے آگے بڑھ کر فسق و فجور کی چیزیں شروع ہو جاتی ہیں، بے محابا عورتیں آتی ہیں اور بہت سارے مسائل ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو چیزیں ہوتی ہیں، اللہ پاک رحم فرمائے۔ اخیر میں یہی عرسوں کی صورت ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کو جڑ سے پھینکا ہے کہ

کوئی ضرورت نہیں ہے، بس آپ دعا گھر میں بھی کر سکتے ہیں اور بزرگ کا فیض آپ کو گھر میں بھی پہنچ جائے گا۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف گئے تھے، دیوبند کے صد سالہ پروگرام میں گئے تھے۔ وہاں سے اجمیر شریف اور ندوۃُ العلماء بھی گئے تھے۔ اجمیر شریف میں بہت بدعات ہوتی ہیں۔ خیر! حضرت نے فاتحہ پڑھی، چونکہ حضرت کو تھکاوٹ تھی، کیونکہ بیمار تھے، ان کو بازار میں چائے پلانے کے لئے لے گئے۔ جب چائے پی رہے تھے، تو حضرت نے فرمایا کہ یہاں حضرت کا فیض آ رہا ہے، مگر وہاں نہیں تھا۔ یعنی مزار پہ نہیں تھا، یہاں پر آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں چونکہ فسق و فجور کی چیزیں شروع ہو گئی تھیں، اس لئے ایسی جگہوں پر فیض نہیں ٹھہرتا۔ لیکن چونکہ وہاں پر یہ چیزیں نہیں تھیں، باوجودیکہ بازار تھا، لیکن وہاں پر تھا۔ گویا یہ چیزیں ہم لوگ خود خراب کرتے ہیں۔ تو میلا ٹھیلا نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن شبِ برات پہ عجیب صورت حال ہوتی ہے، لوگ ٹھٹھہ قبرستان جائیں گے، باقاعدہ گاڑیاں چلتی ہیں اور آوازیں لگاتی ہیں اور وہاں جاتے ہیں اور مزاروں پہ چراغاں کرتے ہیں اور وہاں پر پورا میلہ ہوتا ہے۔ حالانکہ رات کون سی ہے اور بنائی کون سی ہے۔ اس سے کون سی چیز بن گئی۔ اس طرح سے شیطان ہمارے سارے نظاموں کو خراب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین چیزیں عطا فرمائی ہیں، ان تین چیزوں کو صحیح استعمال کرنا ہے۔ عقل دی ہے، الحمد للہ۔ دل دیا ہے اور نفس دیا ہوا ہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ اس سے ہم اچھی بری بات کو سمجھیں، قرآن کو سمجھیں، حدیث کو سمجھیں، ان کی روشنی میں اچھی باتوں کا علم حاصل کریں اور بری باتوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ یہ عقل ہے۔ اور دل دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے لئے ہے اور دنیا کی محبت کو اس سے نکالنا ہے۔ ایمان کی روشنی بھی دل میں ہوتی ہے۔ پھر جو نفس دیا ہے، یہ سواری ہے۔ اس پر سواری کر کے آپ جنت جا سکتے ہیں۔ لیکن سواری کیسے کرو گے؟ وہ ایسے ہو گی کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حکم منواؤ گے۔ اس کا حکم نہیں مانو گے۔ کیونکہ سواری کو کوئی اپنے اوپر نہیں بٹھاتا۔ سواری کے اوپر سوار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نفس کے اوپر سوار ہونا ہے۔ خانقاہوں کے اندر یہی طریقہ سکھایا جاتا ہے کہ نفس کے اوپر کیسے سوار ہونا ہے، بشرطیکہ صحیح خانقاہ ہو۔ اگر رسوماتی خانقاہ ہو، تو اس کی میں بات نہیں کرتا ہوں، صحیح

خانقاہوں میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ نفس کے اوپر کیسے سوار ہوا جاتا ہے، دل کی صفائی کیسے ہوتی ہے، عقلِ فہیم کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ اگر ہماری یہ تین چیزیں درست ہو گئیں، تو سبحانَ اللہ! سب کچھ ٹھیک ہے۔ قرآن اور حدیث میں تبدیلی نہیں آ سکتی، ہم میں تبدیلی آئے گی۔ قرآن اور حدیث اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ ساری دنیا بھی کافر ہو جائے، تو قرآن اور حدیث میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ وہ اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ تباہ ہو جائیں گے۔ اور اگر قرآن اور حدیث پر عمل شروع ہو جائے، تو قرآن اور حدیث میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، لیکن لوگ بدل جائیں گے، ان کا فائدہ ہو جائے گا۔ اس لئے ہم لوگوں کو یہ علم حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ کیا کہتا ہے۔ ہم بہت ساری چیزوں کو جانتے ہیں کہ فلاں کیا کہے گا، فلاں کیا کہے گا۔ اسی سے تو لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اللہ کیا کہے گا۔ اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ اس علم کو حاصل کرنا چاہئے، تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ پاک کی کیا منشاء ہے۔ اللہ جلّ شانہ اس کام کو کیسے کروانا چاہتا ہے۔ ہم کھانا کیسے کھائیں، ہم سوئیں کیسے، ہم کمائیں کیسے، ہم خرچ کیسے کریں، ملیں جلیں کیسے، ہمارا نظامِ معیشت کیسے ہو، معاشرت کیسی ہو۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے سے ہم تک پہنچائی ہیں۔ اب صرف اس کی سمجھ کی ضرورت ہے اور پھر اس پر عمل کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس بات کو سمجھ گئے ہیں، تو ان شاء اللہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور جیسے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ زندگی بڑی مختصر ہے، اس میں تجربے نہیں کرنے چاہئیں، تجربوں سے انسان سیکھتا ہے۔ جیسے ساری سائنس تجربے سے سیکھی جاتی ہے، لیکن دین میں تجربے نہیں کرنے چاہئیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے فائنل چیزیں ہمیں معلوم ہیں۔ تجربے کیا کرو گے۔ مجھ سے کسی نے کہا کہ آپ خود قرآن اور حدیث پر تحقیق کریں، اماموں کے پیچھے کیوں پڑتے ہو؟ میں نے کہا: چلو، میں نے تحقیق کر لی، پانچ سال میں نے ایک چیز پہ محنت کی اور میں نے معلوم کیا کہ یہ کام ایسے کرنا چاہئے۔ مگر وہ بھی کسی امام نے پہلے سے کہا ہوتا ہے۔ تو میں نے وہ چیز حاصل کی، جو پہلے سے موجود ہے۔ اب مجھے کیا فائدہ ہوا؟ دوسری بات یہ ہے کہ جو میری تحقیق ہے، وہ میری بیوی پہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس کو لے اور میرے بیٹے کے اوپر نہیں ہے، میرے

بھائی کے اوپر نہیں ہے، میرے باپ کے اوپر نہیں ہے، میرے دوست کے اوپر نہیں ہے۔ اب اس کا کیا فائدہ؟ تو جو پہلے سے ہو چکا ہے، اس پر دوبارہ کیوں محنت کی جائے؟ انگریزی میں کہتے ہیں: Inventing the wheel again کہ دوبارہ پہیے کو ایجاد کرنا۔ دوبارہ پہیے کو ایجاد کرنے سے کیا ہو گا؟ پہیے کو آپ استعمال کرو۔ جس چیز میں استعمال کرنا ہے، اس میں استعمال کرو۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ ایک چیز کو بار بار دہرانا چاہتے ہیں۔ اور ہمیشہ کے لئے ایک اصول ہے کہ جو لوگوں کی تحقیقات سے فائدہ نہیں اٹھاتا، وہ اپنی زندگی ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کی زندگی بہت مختصر ہے، اس میں یہ کیا کر سکتا ہے۔ اس لئے جو چیزیں پہلے سے settled ہیں، ان کو ہم کیوں چھیڑیں۔ ان کو نہ چھیڑ کر آج کل کے مسائل پر محنت کرو۔ مثلاً: آج کل بینکوں کا نظام کیسا ہونا چاہئے، اس پر محنت کرو، کس نے روکا ہے۔ رؤیتِ ہلال کے مسئلہ کو کیسے حل کریں، اس پر محنت کرو۔ زکوٰۃ کو کیسے صحیح استعمال کریں، یہ بھی آج کل بہت بڑا مسئلہ ہے، اس پہ محنت کرو۔ یہ سارے آج کل کے دور کے مسائل ہیں، ان کو شریعت کے مطابق حل کرنا، یہ ہمارے لئے بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس کے لئے جتنی محنت ہو سکتی ہے، اس کا ساتھ دو، آپ خود بھی اگر کر سکتے ہو، تو کرو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس اتنا علم ہے، ورنہ ان لوگوں کا ساتھ دو، جو محنت کر سکتے ہیں اور خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ یقین جانئے کہ یہ زندگی بہت ہی مختصر ہے۔ خدا کی قسم! ہمیں یہ نہیں پتا کہ میں اس سیٹ سے اٹھ سکتا ہوں یا نہیں اٹھ سکتا۔ کسی کو پتا ہو گا، تو ہو گا، مجھے تو نہیں پتا۔ جب ہماری یہ زندگی اتنی مختصر ہے کہ ہمیں خاتمے کا کوئی پتا نہیں ہے، تو اس پہ ہم کیوں عیاشی کریں، کیوں اس کو ویسے ضائع کر دیں۔ آج کل زندگی کو ضائع کرنے والا بہت بڑا ذریعہ ہمارے پاس موبائل ہے۔ موبائل پہ انسان کا بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ جو اس وقت کو بچا کر نیک کاموں میں استعمال کر لے گا، وہ اس وقت کے ہوشیار ترین آدمیوں میں سے ہے۔ کیونکہ ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ ہی یہی ہے، اور یہ store نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہو سکتا کہ پانچ منٹ میں جمع کر لوں کہ بعد میں استعمال کر لوں گا۔ پانچ منٹ گزرنے ہیں، چاہے آپ ان کو استعمال کریں یا نہ کریں۔ چاہے آپ ان کو نیند میں گزاریں، چاہے بات چیت میں گزاریں، چاہے لڑائی جھگڑے میں گزاریں،

چاہے قرآن پاک کی تلاوت میں گزاریں، چاہے ذکر میں گزاریں، یہ آپ کے لئے ٹھہرے گا نہیں۔ ابھی میں بات کر رہا ہوں، تو یہ حال ہے، ابھی گزر گیا اور ماضی ہو گیا اور اس کے بعد جو آنے والا ہے، وہ مستقبل ہے۔ تو درمیان میں کیا ہے؟ یہ صرف چَل چلاؤ ہے۔ اس چل چلاؤ میں ہماری زندگی ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا ہمیں اپنی زندگی کا خوب خیال رکھنا چاہئے اور یہ جو رات آ رہی ہے، اس میں ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری زندگی کام کی بن جائے اور اس میں اللہ پاک ہم سے راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرما دے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

آج کا درس جس عنوان سے ہم شروع کر رہے ہیں وہ ہے تواضع کی فضیلت۔ تواضع کی فضیلت کے بارے میں دفتر اول کے مکتوب نمبر 68 میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

متن:

تواضع دولتمندوں (کی طرف) سے اچھی ہے اور استغناء و بے نیازی فقراء (کی طرف) سے، اس لئے کہ معالجہ اضداد (بالمقابل چیزوں) کے ساتھ ہوتا ہے۔

تشریح:

یعنی جو لوگ دولت مند ہیں یا اونچے عہدوں پر فائز ہیں، ان کی نفس کُشی تواضع میں ہے۔ انسان اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو مخلوق کے سامنے عاجز کر دے۔ یہ عمل تواضع کہلاتا ہے بشرطیکہ اللہ کے لئے ہو۔ اگر دنیا کے لئے ہے تو پھر یہ مکر ہے یا احساسِ کمتری ہے۔ اللہ کے لئے اپنے آپ کو نیچے گرانا تواضع ہے، جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں بھی آتا ہے: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ"۔ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: 8140)

ترجمہ: "جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ پاک نے اس کو بلند کر دیا۔"

انسان جتنا اپنے آپ کو اللہ کے لئے گراتا جاتا ہے، اتنا اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا جاتا ہے۔ استغناء و بے نیازی فقراء کی طرف سے اچھی ہے۔ مخلوق کی جیب پر نظر نہ ڈالنا، مخلوق کے عہدے پہ نظر نہ ڈالنا، مخلوق کے پاس جو نعمتیں ہیں، ان پہ نظر نہ ڈالنا، صرف اللہ جل شانہٗ کی طرف اپنی نظر رکھنا، یہ استغنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ والے دولت مند ہوتے ہیں تو انتہائی متواضع ہوتے ہیں اور جس وقت فقراء ہوتے ہیں تو بڑے ہی مستغنی ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بادشاہِ وقت نے کہا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: میرے گھر کے دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے آپ اندر داخل ہوں گے تو دوسرے دروازے سے میں نکل جاؤں گا۔

بزرگوں کا ایک مشہور قول ہے: "نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْر" "اچھا امیر وہ ہے جو فقیر کے در پہ آئے"۔ "وَبِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ" "اور برا فقیر وہ ہے جو امیر کے در پر (اس سے کوئی دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے) آ جائے۔ اس میں دونوں چیزیں آ گئیں۔

دفتر اول کے مکتوب نمبر 69 میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

آپ کا محبت نامہ گرامی جو کہ آپ نے برادرم مولانا محمد صدیق کے ہمراہ ارسال فرمایا تھا موصول ہوا، آپ نے بڑی مہربانی فرمائی: جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے) چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کو مدِ نظر رکھا ہے اور تواضع سے گفتگو کی ہے۔

تشریح:

اس سے پتا چلا کہ مکتوب الیہ کوئی افسر یا بڑا آدمی ہے۔

متن:

(لہٰذا) امید ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جس نے اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند کر دیا) کے مصداق یہ فروتنی و عاجزی، دینی و دنیوی سربلندی اور عزت کا سبب ہو جائے گی بلکہ ہوگئی ہے آپ کو بشارت و مبارک ہو، جب آپ نے انابت اور رجوع کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ایسا تصور فرمائیں کہ یہ انابت درویشوں میں سے کسی درویش کے ہاتھ پر واقع ہوئی ہے اس کے نتائج و ثمرات

کے امیدوار رہیں لیکن جہاں تک ہوسکے اس کے حقوق کو (پوری طرح) بجا لانا چاہئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت اللہ والوں کے در سے ملا کرتی ہے۔ جس کو مل جائے ان کے لئے بشارت ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ"۔ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: 8140)

ترجمہ: "جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ پاک نے اس کو بلند کر دیا۔"

فضیلتِ تقویٰ و ورع:

فضیلتِ تقویٰ و ورع کے بارے میں دفتر اول کے مکتوب نمبر 76 میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: 59 آیت: 07) (یہ رسول جو کچھ تم کو دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رک جاؤ)۔

(لہذا) نجات کا مدار دو چیزوں پر ہوا، (یعنی) اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا۔

تشریح:

یعنی جن چیزوں کا حکم ہوا ہے، ان کو پورا کرنے اور جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے رک جانے پر نجات کا دار و مدار ہے۔

متن:

اور ان دونوں جزوں میں سے جزو آخر زیادہ عظمت والا ہے۔

تشریح:

جزوِ آخر سے مراد برائیوں سے رک جانا ہے۔

متن:

جس کو ورع و تقویٰ (پرہیز گاری) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذُکِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ بِعِبَادَۃٍ وَاجْتِہَادٍ وَذُکِرَ اٰخَرُ بِرِعَۃٍ فَقَالَ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَيْئًا يَعْنِي الْوَرَعَ۔ وَقَالَ اَيْضًا عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ.

(یعنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر عبادت و اجتہاد کے ساتھ کیا گیا (یعنی وہ بڑا عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہے)

تشریح:

اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ وہ جد و جہد اور نفس کشی کے ساتھ رہتا ہے۔

متن:

اور دوسرے شخص کا ذکر ورع (تقوٰی) کے ساتھ

تشریح:

وَرع تقوٰی کو کہتے ہیں۔

متن:

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیز گاری کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمھارے دین کا مقصود ورع یعنی پرہیز گاری ہے)۔ اور انسان کی فرشتوں پر فضیلت اسی جزو (آخر) سے ثابت ہے۔

تشریح:

سبحان اللہ! کیا جامع فقرہ ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے۔ "اسی جزو سے ثابت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کی طرف اشارہ کیا۔ نفس کے اندر دو چیزیں ہیں: ایک اس کا فجور اور دوسرا اس کا تقوٰی۔ پس جس کا نفس ہوتا ہے، تقوٰی اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کا نفس ہی نہیں ہے اس میں تقوٰی کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تقوٰی کا وجود نفس کے ساتھ ہی ہے۔ کیونکہ نفسانی فجور کے مقابلہ کو تقوٰی کہتے ہیں۔ جب نفس ہی نہیں تو نفسانی فجور بھی نہیں ہیں اور جب نفسانی فجور نہیں تو تقوٰی کہاں سے ہو گا۔

مثلاً کوئی اندھا کہے کہ میں بد نظری نہیں کرتا تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ وہ بد نظری کر ہی نہیں سکتا، جب کر نہیں سکتا تو اس نہ کرنے پر ثواب بھی نہیں

ہے۔ جو بد نظری کر سکتا ہے اس کے باوجود بچتا ہے، اسے ثواب ملتا ہے۔ یہ اتنا اہم نکتہ ہے کہ یہ ہر سالک کو سب سے پہلے سمجھ میں آنا چاہئے، ورنہ وہ ہمیشہ پریشان رہے گا۔

بعض لوگ اکثر اپنے مشائخ کے پاس اپنا یہ مسئلہ لے کر آتے ہیں کہ ہمارے دل میں برائیوں کے خیالات آتے ہیں۔ مشائخ ان کو تسلی دیتے ہیں کہ بھئی یہ خیالات تمہارے کنٹرول میں نہیں ہیں۔ جو تمہارے کنٹرول میں ہے اس پر عمل کرو۔ خیال کا بھگانا تمہارے کنٹرول میں نہیں ہے۔ البتہ غلط باتوں کے وسوسوں پہ عمل نہ کرنا تمہارے بس میں ہے۔

مثلاً کسی شخص کے پاس چھری ہے اور اسے وسوسہ آ جائے کہ یہ چھری کسی شخص کے پیٹ میں گھونپ دو۔ اُسے اِس وسوسہ پر کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ یہ وسوسہ ہے۔ لیکن اگر عملی طور پر چھری گھونپ دی، تو پھر قتل ہے اور نہ گھونپی تو تقویٰ ہے۔

مثلاً میرے سامنے شراب کا پیالہ پڑا ہوا ہے۔یہاں تو خیر اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، لیکن جو لوگ یورپ جا چکے ہیں انہیں علم ہے کہ جیسے ہمارے ہاں پروگراموں میں چائے پیش کی جاتی ہے، وہاں شراب پیش کی جاتی ہے۔ بلکہ چائے اور جوس وغیرہ کے لئے آپ کو کوشش کرنی پڑے گی۔ لیکن شراب کے لئے کوشش نہیں کرنی پڑے گی۔ وہ ان کی تقریبات کا ایک لازمی جزو ہے۔ لیکن حلال کے لئے آپ کو باقاعدہ بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں تقویٰ وجود میں آتا ہے۔ آپ کے سامنے شراب کا پیالہ پڑا ہوا ہے لیکن آپ اس کو پی نہیں رہے۔ اگر آپ پئیں گے، تو آپ کو کوئی کچھ بھی نہیں کہے گا، کیونکہ ماحول ہی ایسا ہے۔ وہاں لوگ نہ پینے والوں کو شاید کچھ کہیں، لیکن پینے والے کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ بعض گھرانے انتہائی جدید قسم کے ہوتے ہیں، ان کے ہاں پردے کا تصور ہی نہیں ہوتا، بلکہ بعض دفعہ دوسری طرف سے دعوت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اس سے بچ جانا تقویٰ ہے۔

حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے شیخ سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ہماری رہبانیت یہ ہے کہ شباب ہو، تنہائی ہو، دعوت ہو اور ہم کہیں کہ ہم تو اللہ سے ڈرتے ہیں۔" یہ ہماری رہبانیت ہے، لفظ "رہبانیت" پہ ذرا غور کریں، اپنے اوپر لذائذ کو بند کرنے کا عرفی نام رہبانیت

ہے۔ راہب لوگ یہی کرتے ہیں۔ اسلام کے مطابق جائز چیزوں کو اپنے اوپر بند کرنے کا حکم نہیں ہے۔ مثلاً اگر آپ کا روزہ نہیں ہے، آپ بیمار نہیں ہیں، تندرست ہیں، ٹھنڈا پانی موجود ہے اور آپ پینا چاہتے ہیں تو خوب پئیں، آپ کو کس نے روکا ہے، آپ کے پاس میٹھا حلوہ ہے اور آپ بیمار نہیں ہیں، شوگر وغیرہ نہیں ہے، آپ اسے کھانا چاہتے ہیں تو یہ حلال ہے، خوب کھائیں، شریعت آپ کو نہیں روک رہی ہے، اسی طرح شریعت آپ کو خوبصورت بیوی سے نہیں روکتی، کسی بھی قسم کی جائز چیزوں سے منع نہیں کرتی، لیکن جو ناجائز ہے، چاہے وہ کم درجہ کا ناجائز ہو یا زیادہ درجہ کا، مثلاً حرام ہو یا مکروہ ہو، اس کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو لا یعنی امور سے بچا لیا اس نے اپنے دین کو بچا لیا۔ اس لئے کہ لا یعنی میں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔

لا یعنی کیا ہوتا ہے؟

Time is very precious, it's all the time flowing, it cannot be stopped.

یعنی وقت رک نہیں سکتا، وقت تو جا رہا ہے۔

؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردُوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

بعض دفعہ میں سوچتا ہوں کہ اتنی تیزی سے ہفتہ گذرتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ کیسے گذر گیا۔ ابھی ہم نے جمعہ کی نماز پڑھی ہوتی ہے اور دوسرا جمعہ پھر آیا ہوتا ہے۔ اسی طرح اتوار کے بعد اگلا اتوار فوراً آ چکا ہوتا ہے۔ یوں وقت بڑی تیزی سے گذر رہا ہے۔ آپ اسے روک نہیں سکتے۔ اس میں تین قسم کے کام ہو سکتے ہیں: مثبت، منفی، صفر۔

مثبت: اوامر و نواہی کو پورا کرنا۔ شریعت کے مطابق چلنا مثبت ہے۔
منفی: شریعت کے خلاف چلنا منفی ہے۔

صِفر: صفر کا مطلب ہے کہ ایسے کاموں میں وقت گذارنا جن میں شریعت کی مخالفت ہو نہ حمایت، یہ وقت کا ضائع کرنا ہے۔ مثلاً آپ نے ایک گھنٹہ ایسی چیز میں گذار دیا جس میں آپ کا نہ دنیا کا فائدہ ہے نہ آخرت کا فائدہ ہے۔ دنیا کے فائدہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً میں اس نیت سے کھاتا ہوں کہ اس سے طاقت حاصل کروں گا، اس طاقت کو عبادت میں صرف کروں گا۔ اگر میں نے دنیا بھی نہیں کمائی کہ اسے آخرت کے لئے استعمال کروں اور دین کے لئے بھی ذکر وغیرہ نہیں کیا، کسی اچھی صحبت میں نہیں بیٹھا، قرآن پاک کی تلاوت نہیں کی، دعائیں نہیں کیں تو میں نے یہ وقت ضائع کر دیا۔ یہ ایسے ہی گذر گیا۔ ایسے کاموں کو لایعنی کہتے ہیں۔

جب معلوم ہو گیا کہ تقویٰ ان چیزوں سے بچنا ہے تو آپ کو باقاعدہ فکر ہونی چاہئے۔ ارشاد باری ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔ (الحشر: 18)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

یہاں دو دفعہ اِتَّقُوا اللّٰهَ ہے۔

1۔ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ" اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔

2۔ "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ"۔ چاہئے کہ ہر شخص خود ہی دیکھ بھال لے کہ وہ کل کے لئے کیا بھیج رہا ہے، اور اللہ سے ڈرو۔

ایک "اِتَّقُوا اللّٰهَ" کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ سوچو کہ تم آگے بھیج کیا رہے ہو۔ اور دوسرا "اِتَّقُوا اللّٰهَ" یہ بتانے کے لئے ہے کہ ایسا مت سمجھو کہ کوئی چیز نظر سے مخفی رہ جائے گی۔ دنیا میں تو آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو مگر آخرت میں ایسا نہیں کیا جا سکتا۔

دفتروں میں بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ thumb (انگوٹھا) لگا کر چلے جاتے ہیں، اس کے بعد چھٹی کے وقت پھر آ کر انگوٹھا لگاتے ہیں اور درمیان میں غیر حاضر رہتے ہیں۔ ایسا کر کے اگرچہ آپ نے لوگوں کی آنکھوں میں تو دھول جھونک دی،

لیکن اللہ پاک کے سامنے ایسا معاملہ ممکن نہیں ہے۔ وہاں آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ وہاں ساری چیزیں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔

و اللہ اَعْلَمُ یہ ایک کہاوت ہے یا مثال ہے کہ کسی نے سوال کیا تھا کراماً کاتبین کیسے کام کرتے ہیں؟ ابھی اس نے یہ جملہ کہا ہی تھا کہ دفعتاً اسے ایک رجسٹر نظر آیا، اس میں لکھا تھا کہ "کراماً کاتبین کیسے کام کرتے ہیں۔" اس نے کہا: ارے یہ تو بالکل وہی لکھ دیا گیا جو میں نے کہا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح ساتھ ساتھ ریکارڈ بھی ہو رہا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہاں تو سارا معاملہ بالکل کھرا ہے، لہٰذا وہاں کسی کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

فرشتوں کے پاس تقویٰ نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے پاس نفس ہی نہیں ہے۔ ان کا معاملہ الگ ہے۔ وہ تو ہیں ہی پاک مخلوق۔ اس لئے وہ ان چیزوں سے محفوظ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر یہ فرمایا کہ انسان کو فرشتوں کے اوپر فضیلت اسی بنیاد پر ہے کہ فرشتوں کے پاس نفس نہیں ہے اور انسان کے پاس نفس ہے۔

متن:

اور انسانوں کی فرشتوں پر فضیلت اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب الٰہی کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہے کیونکہ فرشتے پہلے جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے۔

تشریح:

پہلا جزو اوامر و نواہی ہے۔ فرشتے بھی اوامر و نواہی پر عمل کر رہے ہیں لیکن ان کے ساتھ نفس نہیں ہے اس لئے ان میں تقویٰ والی بات بھی نہیں ہے۔

متن:

پس جزو ورع و تقویٰ کا مد نظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے اور یہ جزو جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ فضول (غیر ضروری) مباحات سے پرہیز کیا

جائے اور بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کی جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ ڈور کا ڈھیلا چھوڑ دینا مشتبہ چیزوں (کے اختیار کرنے) تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے، مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یَّقَعَ فِیْهِ (جو شخص چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے)۔

تشریح:

حضرت نے تقوٰی کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تقوٰی کی وجہ سے انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ باقی کام تو فرشتے انسان سے بہتر ہی کرتے ہیں۔ لیکن فرشتوں کے پاس نفس نہیں ہے۔ تقوٰی نفس سے بنتا ہے، (اس بات سے ثابت ہو گیا کہ تقوٰی نفس میں بنتا ہے، اور دل میں جمع ہوتا ہے) چونکہ فرشتوں کے پاس نفس نہیں ہے، لہذا وہاں پر تقوٰی والی بات بھی نہیں ہے۔

فرمایا کہ تقوٰی نہ صرف حرام چیزوں سے بچنے کے لئے ذریعہ ہے بلکہ مکروہات اور فضول مباحات سے بھی اپنے آپ کو بچانا تقوٰی میں شامل ہے۔ فضول مباحات کی سرحد حرام چیزوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر انسان اپنی باگ کو ذرا سا بھی ڈھیلا چھوڑ دے تو عین ممکن ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے کہیں حرام میں نہ جا پڑے۔ مثلاً آپ بیسویں منزل پر ہیں، آپ کے ساتھ چھوٹا سا بچہ ہے اور چھت کی منڈیر نہیں ہے۔ کیا آپ اس بچے کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ سکتے ہیں؟ کیا یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ بچے کو آزاد چھوڑ دیں کہ چلو کھیل لو۔ ظاہر ہے آپ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ ایسے وقت میں بچے کو چھوڑنا نا ممکن ہے۔ اسی طرح جب عورتیں بچوں کے ساتھ سڑک پار کر رہی ہوتی ہیں، تو ذرا آپ ان کو دیکھیں، وہ بیچاری کتنی ٹینشن میں ہوتی ہیں کہ بچوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ادھر ادھر دیکھتی ہیں، پھر جلدی سے سڑک کو پار کرنا چاہتی ہیں۔ کیونکہ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں چھوٹے بچے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور معاملات خراب نہ ہو جائیں۔ اسی طرح اگر آپ کو بچہ کے نقصان ہونے کا خطرہ ہو تو آپ کو بڑی پریشانی ہوتی ہے، اور آپ اپنے آپ کو اس کی نگرانی سے غافل نہیں ہونے دیتے۔

اسی طرح ہمارا نفس بھی بچہ ہے۔ بچے میں تو تھوڑا بہت شعور ہوتا ہے لیکن نفس

میں بالکل شعور نہیں ہے۔ نفس کو اپنے نقصان کا ذرہ بھر بھی خیال نہیں ہوتا۔ جیسے چھوٹا بچہ آپ کے سامنے ہنستے ہنستے پاور پلگ میں انگلی دے دے گا، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کیا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے نقصان ہوتا ہے تو روتا ہے۔ اسی طرح نفس کو بھی بعد میں تکلیف ہو گی۔ نفس بالکل بچے کی طرح ہے بلکہ بچے سے بھی زیادہ نادان ہے۔ اگر آپ نے اس کو کھلا چھوڑ دیا تو عین ممکن ہے کہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے۔ اسے کھلا نہ چھوڑنا تقوٰی ہے۔ تقوٰی کے ذریعے آپ اس پہ پابندی لگائیں گے کہ یہ کر سکتے ہو، یہ نہیں کر سکتے۔

سفر کے دوران ہمارے ساتھ گاڑیوں میں بچے ہوتے ہیں۔ ان کی بڑی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کھڑے رہیں اور ساری چیزیں ونڈ اسکرین پر دیکھتے رہیں۔ جتنی دیر وہ کھڑے ہوتے ہیں ہمیں پریشانی ہی رہتی ہے کہ اگر جھٹکا لگ گیا تو یہ بچے گر سکتے ہیں۔ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے، اگر گر گئے تو نقصان ہو جائے گا۔ ہمیں اس بات کی بے حد پریشانی ہوتی ہے مگر خود بچوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسی طرح کھڑے رہیں لیکن آپ نے ان کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اسی طریقے سے اپنے نفس کو قابو کرنا اور اس کی نگرانی کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ نفس اپنے آپ کو خود نہیں بچائے گا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ بہت مجاہدہ کرتے تھے، ایک دفعہ والدہ نے کہا کہ بیٹا ذرا نفس پہ تھوڑا سا ترس کھاؤ، کچھ آرام بھی کر لیا کرو۔ انہوں نے کہا: اماں جی میں یہ مجاہدہ اسی نفس ہی کے لئے تو کر رہا ہوں۔ اگر میں آج یہ نہیں کروں گا تو یہی نفس جہنم میں جلے گا۔

الغرض تقوٰی وہ چیز ہے جس سے آپ اپنے نفس کو برائی میں پڑنے سے بچائے رکھتے ہیں ہیں۔

متن:

پس ورع و تقوٰی کامل طور پر حاصل کرنے کے لئے بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کرنا لازمی ہے اور یہ بھی اس شرط پر کہ اس میں عبادت و اعمال کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر (مباحات اختیار کرنا) بھی وبال ہے۔

تشریح:

اگر دنیا کا کوئی کام کرتے ہوئے آپ کی نیت آخرت کی نہیں ہے تو وہ وبال ہے۔ مثلاً میں صرف پیسے کمانے کے لئے کاروبار یا ملازمت کرتا ہوں تو یہ وبال ہے لیکن اگر میں اس لئے کاروبار کر رہا ہوں یا اس لئے ملازمت کر رہا ہوں تاکہ میں اتنا کماؤں کہ لوگوں کے حقوق جو مجھ پر ہیں، انہیں پورا کر سکوں تو یہ عبادت ہے۔ اس نیت سے میرے دنیا کے سارے کام عبادت بن جاتے ہیں لیکن اگر میں یہ نیت نہ کروں تو دنیا کے سارے کام میرے لئے وبال بن سکتے ہیں۔ کیونکہ میرا اصل سرمایہ یعنی وقت تو اس پر لگ رہا ہے اور مجھے کچھ بھی نہیں مل رہا۔ یہ وبال ہی ہے۔ اس وبال سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ میں ہر وقت اپنے نفس کو قابو رکھوں اور اپنی نیت کو درست رکھوں، کیونکہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1) ترجمہ: "تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔" لہٰذا اپنی نیتوں کو درست کر لو۔

تین چیزیں ہر وقت فعال رہتی ہیں۔ دل، عقل اور نفس۔

1۔ ایمان کے ساتھ کروں گا، تب اعمال کی قیمت ہو گی، یہ دل کی بات ہے۔

2۔ نیت صحیح کروں گا، تب اعمال کی قیمت ہو گی، یہ عقل کی بات ہے۔

3۔ نفس کو قابو کروں گا، تب اعمال کی قیمت ہو گی، یہ نفس کی بات ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ تین چیزیں ہر وقت کنٹرول کر رہے ہوتے ہیں، اگر یہ قابو میں نہ رہیں، تو پھر کام صحیح نہیں ہوتا۔

مباحات کو آپ یوں سمجھیں کہ آپ کو ایک grey area دیا گیا ہے، اس grey area میں آپ کچھ کام کر سکتے ہیں، لیکن اس grey area میں بھی نیت اچھائی کی ہو، دین پہ چلنے کی ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ یہ آپ کے لئے وبال بن سکتا ہے۔

متن:

اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے۔ اور چونکہ فضول مباحات سے کلی طور پر بچنا ہر زمانہ میں اور خاص طور پر اس زمانے میں بہت دشوار ہے (اس لئے) حرام چیزوں سے بچتے ہوئے حتی الامکان فضول مباحات اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہئے اور اس اختیار کرنے میں ہمیشہ شرمندہ و پشیمان ہونا اور توبہ و استغفار کرنا چاہئے اور اس (فضول مباحات) کو محرمات میں داخل ہونے کی کھڑکی جانتے ہوئے حق سبحانہ

و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و گریہ و زاری کرتے رہنا چاہئے شاید کہ یہ ندامت (پشیمانی) و استغفار اور التجا و تضرع اس فضول مباحات سے بچنے کا کام کر جائے اور اس کی آفت سے محفوظ و مامون کر دے۔

تشریح:

میں آپ کو اس کی آج کل کے لحاظ سے ایک بہت اہم مثال دیتا ہوں۔ یہ جو موبائل ہے، اس پر شر اور خیر ہر وقت بالکل ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے ذرہ بھر بھی اپنی آپ کو ڈھیل دے دی تو آپ بغیر کسی محنت کے شر میں پڑ سکتے ہیں۔ صرف کنٹرول کمزور کر لیں تو بس شر میں پہنچ جائیں گے۔ اب آپ کہتے ہیں کہ میں تو اس میں کال سنتا ہوں۔ آج کل کی زندگی میں اس کے بغیر کام نہیں ہوتا اور مجھے میسیجز کو دیکھنا ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ پر بڑی اچھی معلومات دستیاب ہیں۔ میں اس پہ سرچ کر سکتا ہوں۔ براؤزنگ کر سکتا ہوں۔ میں نے یہ ساری چیزیں مان لیں لیکن یہ بھی دیکھئے کہ دوسری طرف شیطانی نظام بھی سرگرم ہے۔ شیطانی نظام نے اس میں اچھی اچھی چیزیں اس طرح مہیا کی ہیں کہ اس کے ساتھ گندی چیزیں (بغیر کسی وجہ کے) بالکل قریب موجود ہوتی ہیں۔

کچھ لوگوں نے ہمارے آڈیو بیانات کی ویڈیوز بنا کر یوٹیوب پر اَپ لوڈ کی ہوئی تھیں، مجھے اس کا علم براؤزنگ سے ہوا۔ اس میں ناجائز تصویریں نہیں تھیں۔ صرف ڈسپلے تھا، میں نے اس کو کلک کیا تو اس کے ساتھ میرے چار پانچ اور کلپس بھی آ گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساری گندی چیزیں آ گئیں۔ جس نے وہ ویڈیوز بنائی تھیں، اس کا نام لکھا ہوا تھا، میں نے اس کے ساتھ رابطہ کیا اور کہا: خدا کے بندے! آپ نے یہ آڈیوز کیسی جگہ پر رکھی ہیں؟ کسی اچھی جگہ پر رکھتے۔ انہوں نے کہا: میں نے اچھی جگہ پر رکھی ہیں، لیکن جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ کسی اچھی چیز کہ اس کا کچھ اثر ہونے لگا ہے، کچھ لوگ اس کو کلک کرنے لگے ہیں، تو اس کے ساتھ ہی دوسری چیزیں لگا دیتے ہیں، یہ کام باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں اور آپ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر آپ کی اپنی ذاتی ویب سائٹ ہو جس پر پورا اختیار آپ کا ہی ہو، کسی اور کو اختیار نہ ہو، تو اس کو آپ بچا سکتے

ہیں، باقی کوئی چیز نہیں بچا سکتے، باقی سب ان کے کنٹرول میں ہے۔ یوٹیوب چینلز پر آپ بے شک اچھی چیز رکھ دیں پھر بھی اس کے ساتھ دوسری چیزیں نظر آنا شروع ہو جائیں گی۔ ایک مرتبہ مجھے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرِ عثمانی کی ضرورت تھی۔ میں نیٹ سے ڈاؤن لوڈ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انٹرنیٹ پر ڈھونڈی تو وہ مجھے مل گئی۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں اس کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر دائیں طرف پڑی تو وہاں گندی چیزیں بالکل پاس نظر آ رہی تھیں، مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ یہ کس وقت نمودار ہوئیں۔ ایسا عجیب نظام ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے اور اب تو بہت دیدہ دلیری ہے۔ پہلے آپ کو تھوڑا سا اختیار دیا جاتا تھا کہ اگر آپ نے اسے اپلائی کیا ہے تو آپ کے پاس آئے گا ورنہ نہیں آئے گا۔ پہلے اس مسئلے میں کچھ نہ کچھ ادب آداب ہوتے تھے مگر اب تو یہ صورتِ حال ہے کہ آپ اخبار دیکھ رہے ہیں، اخبار میں چار پانچ مضامین گذرے، پھر گندی چیزیں، اس کے بعد پھر صحیح چیزیں، پھر گندی چیزیں، پھر اس کے بعد صحیح چیزیں۔ اس طرح یہی ترتیب چلتی رہتی ہے۔ گویا آدمی کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ بچے گا وہی جو پوری طرح چوکس ہو گا۔ جس کو ہر طرح سے استحضار (alertness) حاصل ہو گا وہی بچ سکے گا۔

جرمنی میں ہماری رہائش گاہ ہماری یونیورسٹی سے تقریباً پانچ چھ منٹ کے فاصلے پہ تھی۔ میں مین سڑک پہ جا کر دوسری مین سڑک سے مڑ کے دائیں سمت پہ اپنی جگہ پہنچ جاتا تھا۔ اس طرح مجھے 90 ڈگری پہ مڑنا ہوتا تھا، تقریباً پانچ چھ منٹ کا فاصلہ تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ مغرب کا وقت تھا، مجھے تھوڑی دیر ہو گئی تھی، میں ذرا جلدی پہنچنا چاہتا تھا۔ وہاں ایک diagonal والا راستہ تھا، جس پہ میں کبھی نہیں گیا تھا، لیکن نظر آتا تھا کہ یہ راستہ بھی ادھر ہی جاتا ہے۔ میں پہلی دفعہ اس راستہ پر مجبوراً گیا، اتنی ضرورت تو نہیں تھی، لیکن میرا خیال تھا کہ شاید میں جلدی پہنچ جاؤں گا۔ میں اس راستہ پہ روانہ ہو گیا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوا۔ تو غلطی کا احساس ہو گیا کہ میں غلط جگہ پر آ گیا ہوں۔ کیونکہ وہ ان کا بازارِ حسن تھا۔

الحمد للہ، میرے پاس یہ رومال ادھر بھی ہوا کرتا تھا۔ یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ اس کے بڑے فوائد ہیں۔ پہلے پٹھانوں کی چادر ہوا کرتی تھی۔ چادر کے بڑے فوائد بتائے

جاتے تھے کہ اس کے بڑے فوائد ہیں یہ بوقت ضرورت جائے نماز بن جاتی ہے، وقت پہ تلائی بن جاتی ہے، لحاف بن جاتا ہے، سرہانا بن جاتا ہے، کوڑا بن جاتا ہے، مختلف قسم کی چیزیں بن جاتی ہیں، رسّی بھی بن جاتی ہے۔ یہ ایک نظم کی صورت میں ہمیں بتایا جاتا تھا، اب ہم چادر تو نہیں پہنتے، ذرا جدت پسند ہو گئے ہیں، لیکن کم از کم رومال پہنتے ہیں، اس کے بھی بڑے فوائد ہیں۔

تو میرے پاس یہ رومال تھا، فوراً میں نے رومال سر کے اوپر اس طرح ڈال لیا، جیسے پرانے نقشبندی حضرات سر پہ رومال لیا کرتے تھے، اس طرح سر پہ رومال کا چھتہ سا بنا دیا اور نیچے دیکھ کے چلتا رہا۔ پشتو میں کہتے ہیں: دوہ مې خپلے کړے اؤ دوہ پردئ "میں نے دو پیر اپنے لئے اور دو پرائے لئے" اور تقریباً بھاگ کے نکلا، اس پہ وہاں کچھ تبصرے بھی کئے گئے، جن کا مجھے پتا نہیں چلا کہ کیا کہا، لیکن یوں محسوس ہوا جیسے کوئی تلملا کے تبصرہ کرتا ہے کہ پتا نہیں یہ کون ہے، کیا کر رہا ہے۔ لیکن میرے پاس ان تبصروں کو سننے کا وقت تو نہیں تھا۔ بہر حال مجھے اللہ نے بچا لیا اور میں خیریت و عافیت سے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

ایسے حالات ہوں تو انسان تبھی بچ سکتا ہے جب مکمل استحضار ہو ورنہ نہیں بچ سکتا۔ خطرہ ہوتا ہے کہ خود بخود کسی گڑھے میں گر جائے گا۔ ایسے حالات میں محفوظ رہنے کے لئے بہت کنٹرول چاہئے۔ اس کنٹرول کے لئے controlled environment چاہئے، جسے ہم صحبت صالحین کہتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ پشاور یونیورسٹی میں کوئی جگہ ایسی تھی جو ذرا بدنام تھی لیکن آپ یقین کیجئے کہ ہمیں اپنی تعلیم کے دوران اِس کا پتا ہی نہیں چلا کہ وہاں کوئی ایسی جگہ بھی ہے۔ ہمارا کام بس یہ ہوتا تھا کہ یونیورسٹی جانا ہے پھر اپنے ہاسٹل آنا ہے یا گھر چھٹی پر جانا ہے یا مولانا صاحب کے پاس جانا ہے یا کبھی کبھی بازار کوئی چیز لینے کے لئے جاتے تھے۔ بس ہماری یہی مصروفیت تھی۔ اس سے زیادہ ہماری مصروفیت تھی ہی نہیں۔ ہمیں medical college اور engineering college کے رسالوں سے ایسی چیزوں کا پتا چلا۔

صحبت صالحین ایسی چیز ہے کہ اگر انسان صحبت صالحین اختیار کرتا ہو تو ان چیزوں

سے بچ جاتا ہے۔ یہ ایک زبردست قسم کا نظام ہے۔ صحبت صالحین کے ذریعے انسان گویا کہ قلعہ میں محفوظ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا انسان کے دل پر جو اثر ہوتا ہے، اس کا ایک contrast بنتا ہے۔ مثلاً آپ ایک روحانی ماحول میں چلے گئے ہیں، تو دل بڑا خوش ہو گیا، آپ ایک ظلماتی ماحول میں چلے گئے ہیں، تو دل پریشان ہو گیا، اندھیرے میں آگیا، اس کو ہم ظلمت کہتے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ اچھی جگہوں پہ جاتے رہیں گے، تبھی ظلمت کا احساس ہو گا۔ اگر آپ نے اچھی جگہیں دیکھی ہی نہیں ہیں، تو آپ کو ظلمت کا احساس کیسے ہو گا۔ آپ کے لئے تو ہر جگہ ایک جیسی ہی ہو گی، لیکن جب آپ اچھے ماحول کے عادی ہو چکے ہوں گے، تو آپ کو برے ماحول کا احساس بہت جلدی ہو جائے گا، اور آپ محسوس کر لیں گے کہ میں کسی کسی جگہ پہ پھنس گیا ہوں۔ یوں انسان پھر اس سے نکلنا بھی چاہتا ہے، اور اللہ پاک نکال بھی دیتا ہے۔

متن:

ایک بزرگ فرماتے ہیں: اِنْکِسَارُ الْعَاصِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ صَوْلَۃِ الْمُطِیْعِیْنَ (گنہگاروں کی انکساری و عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداوں کے دبدبہ (جدوجہد) سے زیادہ محبوب ہے)۔ اور حرام چیزوں سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے تعلق ہے اور دوسری قسم کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی مطلق اور ارحم الراحمین (سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) اور بندے فقراء و محتاج اور بالذات بخیل و کنجوس ہیں (اس لئے اُن کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْہُ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَلَا دِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِہٖ فَحُمِلَ عَلَیْہِ (اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کی عزت و آبرو یا اور کسی قسم کا کوئی حق ہے تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے معاف کرا لے قبل اس کے کہ اس کے پاس نہ کوئی دینار رہے اور نہ درہم (کیونکہ قیامت کے دن) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہو گا تو بقدر ظلم اس سے بدلہ میں لے لیا جائے گا (اور صاحب حق کو دیدیا جائے گا) اور اگر اس کی نیکیاں

نہ ہوں گی تو صاحب حق کی برائیاں لے کر اس پر ڈالی جائیں گی)۔

وَ قَالَ اَیْضًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَ سَلَّمَ: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَ سَلَّمَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوۃٍ وَ یَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ (اور نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ حاضرین صحابہ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم و اسباب کچھ نہ ہوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے (لیکن ساتھ ہی) اس نے کسی کو گالی بھی دی ہو اور کسی کو تہمت بھی لگائی ہو اور کسی کا مال بھی کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو پس ہر ایک حقدار کو اس کی نیکیوں میں سے اس کے حق کے برابر نیکیاں دیدی جائیں گی اور اگر حقداروں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان حقداروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا)۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ ہم لوگوں کو اپنے اعمال کی حفاظت کرنی چاہئے۔ کیونکہ خاتمہ کا پتا نہیں ہے۔ ایک کام ایسا ہوتا ہے جس کی مدت معلوم ہو۔ جیسے آپ کا کوئی دو سال کا کام ہے، کوئی ملازمت ہے تو آپ دو سال کے عرصے میں انتظام کر سکتے ہیں کہ میں اتنی دیر میں یہ کر لوں گا اور اتنی دیر میں یہ کر لوں گا۔ لیکن اگر آپ کو کچھ بھی پتا نہ ہو کہ کس وقت ختم ہونا ہے، ایسی صورت میں آپ کو اس کے لئے انتظام کرنا ہوتا ہے۔ ہماری زندگی بھی ایسی ہے کہ اس کے خاتمے کا کوئی پتا نہیں۔

جب بالاکوٹ میں زلزلہ آیا تھا تب ہم وہاں پر گئے تھے۔ یقین جانیے بڑے بڑے پلازے گرے پڑے تھے۔ زلزلہ آنے سے چند منٹ پہلے لوگ ہنس کھیل رہے تھے

اور اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں کیا پتا تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اچانک آناً فاناً جو کچھ ہونا تھا، ہو گیا۔

اسی دوران ہم آزاد کشمیر میں مظفر آباد اور دریائے نیلم بھی گئے تھے۔ یقین کیجئے کہ وہاں دریا کے پانی سے لاشوں کی اتنی بدبو آ رہی تھی کہ کھانا نہیں کھایا جا رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ بھئی تم لوگ کیسے گذارا کر رہے ہو؟ کہتے ہیں کہ ہم عادی ہو گئے ہیں۔ وہاں کے لوگ اس بدبو کے عادی ہو چکے تھے۔ چند دن گذرنے کے بعد انسان عادی ہو ہی جاتا ہے۔ جبکہ ہماری حالت یہ تھی کہ ہمیں ابکائیاں آ رہی تھیں، ہم حیران تھے کہ ہم کیا کریں۔

اللہ پاک اپنی قدرتوں کا اظہار فرماتے ہیں۔ زلزلہ آنے سے ایک ماہ قبل بھی ہم اپنے کسی کام سے بالا کوٹ گئے تھے، زلزلے سے پہلے والا بالا کوٹ بھی ہم نے دیکھا تھا اور زلزلہ کے بعد والی حالت بھی ہم نے دیکھی۔ وہاں دریا کے اندر ایک مسجد ہے وہ بھی گر گئی تھی۔ باہر ایک مسجد تھی اس کے در و دیوار بھی گر چکے تھے. بڑے بڑے گھر زمین بوس ہو چکے تھے لیکن درمیان میں ایک پلازہ بالکل صحیح سلامت کھڑا تھا، اس کی پتلی پتلی سیڑھیوں کے ذریعہ ہم اس کے اوپر چڑھ گئے، اس پلازہ کو کچھ نہیں ہوا۔ ہم حیران ہوئے کہ ارد گرد ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے اور درمیان میں یہ پلازہ بچا ہوا ہے۔ میرے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک بڑے نیک آدمی کا پلازہ ہے۔ اس کا یہ قانون تھا کہ اس پلازہ میں ایسی کوئی دکان نہیں کھولی جا سکتی جس میں کوئی حرام کام ہو، مثلاً کوئی شیونگ وغیرہ کا کام، یا میوزک سے متعلق کام، یا تصویروں وغیرہ کا کام، اس قسم کی چیز کے لئے ان کے دروازے بند تھے۔ یہ شرط تھی کہ اس پلازہ میں ایسی دکان کوئی نہیں بنا سکتا۔ اس پلازہ کا مالک اپنے پیسوں سے کچھ رقم علیحدہ کر کے اللہ کے راستے میں لگایا کرتا تھا۔ اللہ پاک نے اس کو ایک مثال بنا دیا کہ دیکھو میں کس طرح بچاتا ہوں۔

میں نے وہاں کے کچھ ساتھیوں سے کہا کہ انجینئرنگ میری فیلڈ ہے جس میں stress analysis کیا جاتا ہے۔ میں بتا سکتا ہوں کہ یہ پلازہ کیوں کھڑا ہے اور اس کو کیوں کچھ نہیں ہوا۔ میں یہ بات اپنے فن کے لحاظ سے بتا اور سمجھا سکتا ہوں کہ کیسے

crest اور trough مل کے زیرو ہو جاتا ہے۔ یہ تو مجھے پتا ہے، لیکن وہ لہر کہاں سے چلی تھی، یہ جاننا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئی تھی کہ ادھر سے ہی چلے اور دوسری جگہ سے نہ چلے، کیونکہ crest کہیں سے بھی آ سکتا ہے، کہیں سے بھی shift ہو سکتا ہے۔ جب دو waves ایسے جمع ہوں کہ zero پہ آ جائیں، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے، اس کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اللہ جل شانہ نے ان کے لئے معاملہ ایسا کر دیا کہ وہ پلازہ بچ گیا۔ یہ آنکھوں دیکھی بات ہے۔

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتیں دکھاتا ہے۔ اللہ پاک اپنی قدرتیں تو دکھا دے گا لیکن ہمیں وہی کافی ہے جو قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اس پر یقین کے لئے ہمیں تجربے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ پاک نے جو قرآن پاک میں اور آپ صلی اللہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا وہ ہمارے لئے موجود ہے اور ہم اس پر عمل کریں گے۔

توبہ و انابت ورع و تقوی کی ترغیب:

توبہ و انابت، ورع و تقوی کی ترغیب کے بارے میں دفتر دوم مکتوب 66 میں ارشاد فرمایا:

متن:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ چونکہ عمر عزیز معاصی و تقصیرات اور بیہودہ کاموں میں گزری ہے اس لئے مناسب ہے کہ توبہ و انابت کی نسبت کلام کیا جائے اور ورع و تقوٰی کو بیان کیا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور: 31) (اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرو تا کہ تم کو فلاح حاصل ہو)۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ۔ (التحریم، آیت: 08) (اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا رب برائیوں کو تم سے دور کر دے اور تم کو ایسی جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں)۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَذَرُوْا ظَاہِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ (الانعام، آیت: 120) (اور ظاہری

و باطنی گناہوں کو چھوڑ دو)۔

پس گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے واجب اور فرض عین ہے، کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت خاتم الرسل سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات و التحیات فرماتے ہیں: اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (میرے دل پر بھی غبار سا آجاتا ہے اس لئے میں دن رات میں اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں)۔

پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے اور بندوں کے مظالم اور حقوق کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ زنا، شراب کا پینا، سرود و ملاہی (لہو و لہب) کا سننا، غیر محرم کی طرف بنظر شہوت دیکھنا، بغیر وضو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا، اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان امور کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہ الہیٰ عزوجل میں عذر خواہی کرنے سے ہے۔ اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ کے ساتھ ساتھ اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ بندوں کے حقوق ادا کرے اور (مظالم پر) معافی مانگے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حق میں دعا کرے۔

اور اگر صاحب مال و آبرو فوت ہو گیا ہو تو اس کے لئے استغفار کرے اور اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کے سپرد کرے۔ اگر اس کے وارث معلوم نہ ہو سکیں تو مال کے اندازہ کے مطابق صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء اور مساکین پر صدقہ و خیرات کرے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو صادق ہیں، سنا ہے کہ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے: مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا، فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ (جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ کھڑا ہو اور وضو کرے، نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ بخش دیتا ہے)۔

اس لئے کہ اللہ جل و علا خود فرماتا ہے: وَمَن يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: 4، آیت: 110) (جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پائے گا)۔

اور آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے: مَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا ثُمَّ نَدِمَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهٗ (جس شخص نے کوئی گناہ کیا پھر اس گناہ پر نادم ہوا تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے) حدیث میں یہ بھی آیا ہے اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ عَلَيْكَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَهَا ثُمَّ عَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ كُتِبَ فِي الرَّابِعَةِ مِنَ الْكَبَائِرِ (جب آدمی کہتا ہے کہ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں، پھر اس نے گناہ کیا اور پھر اسی طرح کہا، پھر تیسری مرتبہ گناہ کیا اور معذرت کی، پھر چوتھی بار کیا تو کبیرہ گناہ لکھا جاتا ہے)۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ يَقُوْلُوْنَ سَوْفَ نَتُوْبُ (ہلاک ہوگئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم عنقریب توبہ کر لیں گے)۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو بطور نصیحت فرمایا "اے بیٹا! توبہ کرنے میں کل تک کی بھی تاخیر نہ کرنا کیونکہ موت اچانک آجاتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ ظالموں میں سے ہے۔ اور عبداللہ بن مبارکؒ رحمہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں کہ حرام کے ذریعے ایک پیسہ لیا ہوا واپس کر دینا سو پیسوں کے صدقہ کر دینے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی (جو غلط طریقے سے حاصل کی گئی ہو اس) کا واپس کر دینا چھ مقبول حجوں سے افضل ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: 7، آیت: 23) (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ فرمائی تو ہم خسارہ والوں میں سے ہو جائیں گے)۔

نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ فرماتا ہے عَبْدِيْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنْ مِنْ اَعْبَدِ النَّاسِ وَاجْتَنِبْ عَمَّا نَهَيْتُكَ عَنْهُ تَكُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْتُكَ كُنْ مِنْ اَغْنَى النَّاسِ (میرے بندے! جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے اس کو ادا کر، پس تو سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا۔ اور جن باتوں سے میں نے

تجھ کو منع کیا ہے ان سے باز رہ، پس تو سب لوگوں سے زیادہ پرہیز گار ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے تجھ کو رزق دیا ہے اس پر قناعت کر پس تو سب سے زیادہ غنی ہو جائے گا)۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ (تو پرہیز گار بن، پس تو تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ کی برابر تقویٰ ہزار مثقال والے نماز روزوں سے بہتر ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین پرہیز گار اور زاہد لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لئے جس قدر ورع (پرہیز گاری) ضروری ہے اتنی کوئی اور چیز نہیں

بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ جبتک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم نہ کر لے اسوقت تک ورع حاصل نہیں ہوتا (1) غیبت سے زبان کو بچائے۔ (2) بدگمانی سے بچے۔ (3) مسخرہ پن سے پرہیز کرے۔

تشریح:

کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں پڑ کر انسان خواہ مخواہ (just for nothing) اپنے آپ کو خراب کرتا ہے۔ مثلاً میں لطیفے سنانا شروع کر دوں۔ ان لطیفوں سے لوگوں کو ہنساؤں اور کچھ ایسی باتیں کر لوں جن سے میں گناہ گار ہو جاؤں۔ اس میں مجھے کیا ملا؟ اگر مجھے کوئی ٹائٹل مل سکتا ہے تو یہی کہ یہ مسخرا ہے، جوکر ہے۔ کیا کوئی انسان جوکر کہلانا پسند کرتا ہے؟ مثلاً آپ کسی کو کہہ دیں کہ وہ جوکر ہے، تو کیا وہ یہ سن کر خوش ہو گا؟ نہیں ہو گا. لیکن ہم جس لفظ سے بھی بھاگتے ہیں، پسند نہیں کرتے، اسی کے تقاضے پہ عمل کرتے ہیں۔ بھلا اس کا کیا فائدہ ہے؟

متن:

(4) حرام چیزوں سے آنکھ بند رکھے (5) سچ بولے (6) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تاکہ نفس مغرور نہ ہو (7) اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور باطل جگہ میں خرچ کرنے سے بچے (8) اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی کا طالب نہ ہو (9) نمازوں کی حفاظت کرے (10) اہل سنت و الجماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار

کرے، رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (التحریم: آیت: 8) (اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

میرے مخدوم و مکرم! اور اے شفقت و مکرمت کی نشانیوں والے! اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو جائے اور تمام محرمات و مشتبہات چیزوں سے ورع و تقوٰی حاصل ہو جائے تو یہ ایک بڑی نعمت اور اعلٰی درجہ کی دولت ہے، ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کے برکات و انوار بعض دوسروں میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ اور ورع کی توفیق نصیب ہو جائے۔ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ (جو چیز پوری کی پوری نہ حاصل ہو سکے اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیئے)۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِك وثَبِّتْنا عَلٰى دِيْنِكَ وعَلى طَاعَتِكَ بصدقة سيد المرسلين وقائد الغر المحجلين عليه وعليهم وعلى اٰله كل من الصلوات افضلها ومن التسليمات اكملها (اے اللہ! ہم کو سید المرسلین و قائد الغرا لمحجلین علیہ و علیہم وعلٰی آل کل من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کے صدقہ میں اپنی رضا مندی کی توفیق دے اور اپنے دین اور اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ (آمین)

تشریح:

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقوٰی کے بارے میں بہت مؤثر کلام فرمایا ہے۔ اس کلام کو سمجھنے کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کو اپنی زندگی کا منشور بنانا چاہیئے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق گذارنا چاہیئے۔

گذرا ہوا وقت واپس نہیں آتا لیکن توبہ کرنے سے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ انسان منفی چیز کو ختم کر سکتا ہے۔ جس کا طریقہ حضرت نے بتا دیا کہ جن کا حق ہے ان کو لوٹا دو۔ اگر کوئی ایسا عمل فوت ہو گیا ہے جس کی قضا لازم ہے تو پہلے اس کی قضا کرو، پھر توبہ بھی کرو۔ توبہ کی تین شرطیں لازمی ہیں اور چوتھی اضافی ہے، تین لازمی شرطیں یہ ہیں:

1_ اس عمل پر نادم ہو جانا

2:- اس عمل سے رک جانا۔

3:- آئندہ کے لئے نہ کرنے کی نیت کریں۔

یوں سمجھ لیجئے کہ ارادہ بن جاتا ہے۔ ایک تمنا ہوتی ہے، ایک ارادہ ہوتا ہے۔ تمنا کا کچھ فائدہ نہیں، اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا البتہ ارادے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ارادہ اور تمنا میں فرق یہ ہے کہ تمنا میں انسان عمل نہیں کرتا اور ارادہ کے ساتھ عمل وابستہ ہے، لہٰذا جب انسان توبہ کا ارادہ کرے تو پہلے نادم ہو، اس کے بعد اس عمل سے رک جائے۔

یہ تین باتیں تو لازمی ہیں۔

چوتھی اضافی بات یہ ہے کہ اگر کسی انسان کا حق متعلق ہے تو اس کو حق پہنچانا یا اس سے معاف کرانا لازمی ہے۔ اگر اس عمل کے ساتھ قضا متعلق ہے، جیسے نماز فوت ہو جائے تو قضا کرنی ہوتی ہے۔ ایسے اعمال کی قضا بھی کرنی ہو گی، توبہ بھی کرنی ہو گی، توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ انسان سارے گناہوں سے توبہ کرے، لیکن اگر سارے گناہوں سے توبہ نہ کر سکے، تو کم از کم جتنوں سے کر سکتا ہے اتنے میں دیر نہ کرے، کیونکہ اگر کوئی کام پورا نہیں کر سکتا تو جتنا کر سکتا ہے اس کو نہ چھوڑے۔ اس کی برکت سے ان شاء اللہ باقی گناہوں سے توبہ کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔

ہمیں چاہئے کہ حضرت کے ان نصائح پر عمل کریں اور اپنے آپ کو خراب نہ کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۝

مقاماتِ قطبیہ ومقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

آج کل ہمارے ہاں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر لکھی گئی کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" سے تعلیم جاری ہے۔ اس کے مصنف حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بڑی عارفانہ باتیں لکھی ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے، لیکن یہ صرف ایک سیرت کی کتاب نہیں رہی، بلکہ یہ بہت سارے عوارف کے بیان کرنے کا ایک ذریعہ بن گئی ہے۔ لہٰذا اس کے پڑھنے اور سننے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں الحمد للہ اس کی تعلیم جاری ہے، تاکہ یہ بزرگوں کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا ذریعہ بنے۔

پچھلے ہفتے روزے اور زکوٰۃ کے بارے میں بات کی گئی تھی اور پھر حج کے بارے میں بات چل رہی تھی کہ درمیان کا ایک صفحہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ منقطع ہو گئی تھی۔ ہم نے اس کی سافٹ کاپی سے وہ صفحہ لے لیا ہے، لہٰذا اب بقیہ بات کو مکمل کرتے ہیں۔ اس وقت حج کے بارے میں بات چل رہی تھی اور خانہ کعبہ کی برکات اور کرامات بیان کی جا رہی تھیں اور اس کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں بات چل رہی تھی کہ خانہ کعبہ کی تعمیر سات مرتبہ ہوئی ہے۔ لیکن footnote میں ایک بزرگ نے اس کا ترجمہ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

متن:

(حاشیہ: 1۔ مصنف کی علمی شان کے آفتاب کے سامنے یہ فقیر ذرہ بھی نہیں، مگر چونکہ یہ ایک دینی مسئلہ ہے اس لئے عرض ہے کہ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ اخبار مکہ سن 355 مطبوعۃ مکہ مکرمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "وَاتَّفَقَ عَلَیْہِ الْمُؤَرِّخُوْنَ اَنَّ الْکَعْبَۃَ بُنِیَتْ عَشَرَ مَرَّاتٍ..." یعنی مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خانہ کعبہ کی دس دفعہ تعمیر کی گئی ہے۔

تشریح:

در اصل تاریخی چیزوں میں اختلافات ہوا کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض چیزیں بعض لوگوں نے نوٹ کی ہوتی ہیں اور بعض نے نوٹ نہیں کی ہوتیں، بعض نے کسی ایک طرح سمجھا ہوتا ہے اور بعض نے دوسری طرح سمجھا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ تاریخ ولادت اور تاریخ پیدائش میں اختلاف بہت زیادہ ہوا کرتا ہے۔ لیکن مؤرخین سب کو بیان کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں یہ کہتے ہیں، اور فلاں یہ کہتے ہیں۔ حضرت نے بھی کسی تاریخی کتاب سے بات لی ہو گی۔ ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ اس پہ اتفاق ہو گیا، البتہ یہ کہیں گے کہ یہ بھی ایک روایت ہے اور وہ بھی ایک روایت ہے۔ کیونکہ یہ چیز بھی تاریخ سے لی گئی ہے، اس لئے تاریخ میں ایک اور روایت آ گئی۔ بہر حال! اُن کی روایت سات مرتبہ کی ہے اور اِن کی روایت دس مرتبہ کی ہے، یہ بھی ٹھیک ہے، بعض مؤرخین دس کی طرف بھی گئے ہوں گے، وہ بھی صحیح ہے۔ تاریخ میں اس طرح ہونا ناممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کر دی اور کثرتِ رائے کی طرف متوجہ کیا۔ لیکن اس سے مصنف کی بات پہ کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ ایسی چیزوں میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔

متن:

بارِ اول فرشتوں نے تعمیر کی، دوسری دفعہ حضرت آدم علیہ السلام نے، تیسری دفعہ حضرت شیث علیہ السلام نے، چہارم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے، پنجم عمالقہ، ششم قبیلہ جُرہم، ساتویں قصی، آٹھویں قریش، نویں ابن زبیر رضی اللہ عنہ، دسویں حجاج۔ علامہ ارزقی نے آگے تحریر فرمایا ہے کہ "وَقُلْنَا قَدْ بُنِيَتْ لِمَرَّةِ الْحَادِيَةِ عَشَرَ عَامَ ١٠٣٩ هِجْرِيَّةً فِيْ عَهْدِ السُّلْطَانِ مُرَادِ بْنِ السُّلْطَانِ اَحْمَدَ مِنْ سَلَاطِيْنِ اٰلِ عُثْمَانَ" "ہم یہ کہتے ہیں کہ گیارہویں دفعہ اس کی تعمیر 1039 ہجری میں سلطان مراد بن سلطان احمد جو کہ آلِ عثمان کے سلاطین میں سے تھے، کے دور میں ہوئی تھی)

تشریح:

یہ ٹھیک ہے، یعنی موجودہ تعمیر یہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا جو ہمارے سامنے ہے۔ کل مجھ سے کسی نے یہ پوچھا تھا، تو میں تردد میں تھا، آج اس کی تصدیق ہو گئی۔ کل مجھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ موجودہ تعمیر کس نے کی تھی؟ میرے حافظہ میں کسی طرح یہ بات موجود تھی کہ یہ موجودہ تعمیر حجاج بن یوسف کی ہے، کیونکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز پر تھی۔ آپ ﷺ کے وقت بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہے۔ لیکن قریشِ مکہ جب تعمیر کر رہے تھے، تو انہوں نے اس بات کی اہمیت کو جان کر صرف اس پیسہ سے تعمیر کی جو ان کے نزدیک حلال تھا۔ اس میں سود وغیرہ یا کوئی ڈاکہ یا کوئی چوری چکاری کا مال شامل نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے حلال پیسوں سے اس کو تعمیر کیا۔ چونکہ حلال پیسے تھوڑے ہی ہوتے ہیں، لہٰذا جب پیسے ختم ہو گئے، تو حطیم والا حصہ شامل نہیں ہو سکا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں دو دروازے ہوا کرتے تھے اور حطیم کا حصہ اس میں شامل تھا۔ ایک دروازے سے لوگ اندر جاتے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ میں اس کو اسی طرح تعمیر کروں، لیکن پھر یہ سوچ کر ایسا نہیں کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ کیسے نبی ہیں جو خانہ کعبہ کو توڑ رہے ہیں۔ لیکن بعد میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کی خواہش کا احترام کر کے اس کو اس طرح تعمیر کر دیا، جس طرح آپ ﷺ چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سیاست کے شر سے لوگوں کو بچائے۔ حجاج بن یوسف آیا، تو چونکہ ان کی آپس میں لڑائی تھی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجاج کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو گئے تھے، یہ کب اپنے دشمن کی تعمیر کو باقی رکھ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے دوبارہ خانہ کعبہ کو اسی طرز پہ تعمیر کیا جس طرز پر قریشِ مکہ نے کیا تھا۔ بعد میں فقہاء ائمہ نے فتویٰ دے دیا کہ اب اس کو چھیڑا نہ جائے، کیونکہ لوگ اس کو اپنی منشاء پوری کرنے کا محل بنا دیں گے۔ ہر ایک اپنی اپنی منشاء کے مطابق اسے تعمیر کرتا رہے گا۔ اس کے بعد جو تعمیر حجاج بن یوسف نے کی تھی، وہی تعمیر قائم رہی ہے۔ اگرچہ سلطان مراد نے اس کی تعمیر کی ہے، لیکن طرز وہی ہے۔ طرز کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا جو طرز تھا، اس کو دوبارہ واپس نہیں کیا۔ کیونکہ فقہاء نے فتویٰ دیا تھا کہ اب اس کو چھیڑا نہ جائے،

ورنہ یہ لوگوں کے لئے بازیچۂ اطفال بن جائے گا، بچوں کا کھیل بن جائے گا۔ جو آئے گا، وہ اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کرے گا۔ اس لئے فقہاء نے یہ فتویٰ دے دیا۔

بہر حال! خانہ کعبہ کی تعمیر میں ہمیں فقہی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی بہت کچھ مل جاتا ہے۔ فقہی طور پر یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک چیز کو چاہتے تھے کہ یہ ہو جائے، لیکن امت میں بدگمانی پڑنے کی وجہ سے ایک مستحب کو چھوڑ دیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اگر ایک مستحب کی وجہ سے لوگ فتنے میں پڑ رہے ہوں، مشکل میں پڑ رہے ہوں اور اختلاف کی صورت بن رہی ہو، جس سے زیادہ نقصان ہوتا ہو، تو اس مستحب کو چھوڑنا مستحسن ہے۔ کیونکہ اگر آپ ﷺ نے ایک مستحب کو چھوڑا ہے، تو یہ بھی گویا آپ ﷺ کی سنت ہے۔ اس سے ایک فارمولا اور قانون ہمیں مل گیا کہ مستحب کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ جو غلطی تھی، جس کو آپ ﷺ ٹھیک کرنا چاہتے تھے، اس کو ٹھیک بھی کیا گیا، لیکن بعد میں جب دوبارہ اس انداز پہ لایا گیا تو فقہاء نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ اب اس کو نہ چھیڑا جائے۔ کیونکہ پھر لوگ اس کو عادت بنا لیں گے۔

ایک دوسرا فتوٰی بھی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے مقاصد کے لئے ان سے کم درجے کے مقاصد کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں ہمارے لئے سمجھنا ضروری ہیں۔

متن:

بعد تیسری بار یلدز نام کے کافر نے بت خانہ بنا دیا اور اس کی چند اینٹیں اس میں لگائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے زلزلے سے اس خانہ کعبہ کو مسمار کر دیا۔ اس کے بعد چوتھی دفعہ اس یلدز کے بیٹے شمعون نے اس کی چوتھی دفعہ تعمیر کرائی، پانچویں بار حضرت داؤد علیہ السلام نے تعمیر فرمائی، چھٹی دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تھوڑی سی عمارت بنائی تھی، ساتویں بار حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق 2 علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، بی بی سارہ و بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہما نے تعمیر فرمائی۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ (آل عمران: 97) "جو کوئی اس میں داخل ہو، وہ امن میں ہو گا" بعض مفسرین کے نزدیک وہ قتل سے مامون ہو گیا۔ یعنی اگر کوئی چور

یا قاتل آ جائے، تو اس کے ہاتھ اندرونِ حرم نہیں کاٹے جائیں گے اور نہ اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس کو کھانا پینا نہیں دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ حدودِ حرم سے باہر آ جائے اور اس پر شرعی احکام نافذ ہو جائیں۔ اور بعض کے نزدیک "كَانَ اٰمِنًا مِّنَ الْجُذَامِ وَالْبَرَصِ" یعنی جذام اور برص سے امن میں رہے گا۔ بعض یہ مراد لیتے ہیں کہ جو کوئی اس میں داخل ہو گا، وہ ذلت اور پستی سے امن میں رہے گا۔ اور بعض کے نزدیک "كَانَ اٰمِنًا مِّنَ النَّارِ" یعنی وہ دوزخ کی آگ سے امن میں رہے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "مَنْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ اَمِنَ مِنَ الْهَاوِيَةِ" (لم أجد هذا الحديث) "جو شخص کعبہ میں داخل ہوا، وہ ہاویہ (دوزخ) کے عذاب سے امن میں ہوا"۔ اگر کوئی تجارت کی نیت کر کے ساتھ حج بھی کرے، تو اس کو اس قدر ثواب ہاتھ نہیں آئے گا، جتنا کوئی خالصتًا للہ حج کرے اور ریاکاری اور شہرت و ناموس سے دور ہو۔ اور یہ ریاکاری سے اجتناب اس لئے کہ اس کی تکلیف رائیگاں نہ جائے۔ اس کو چاہئے کہ فسق و فجور سے جان بچا کے رکھے اور توبہ اچھی طرح سے کر کے نبھائے اور احرام کے بعد اپنی بیگم سے بوسہ بازی، چھیڑ خانی اور جماع سے احتراز کرے۔ حدیث شریف کے الفاظ اس طرح ہیں: "لَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ" (الصحيح للبخاري، كتاب الحج، باب: فضل الحج المبرور، رقم الحديث: 1521) "نہ رفث کرے اور نہ فسق"۔ پھر دونوں کا ترجمہ کر کے کہتے ہیں: "اَلرَّفَثُ هُوَ الْجِمَاعُ وَالْمَسُّ وَالْقُبْلَةُ، وَالْفِسْقُ وَالْفُجُوْرُ هُوَ الْمَعَاصِيْ" یعنی رفث جماع، چھیڑ خانی اور بوسہ بازی ہے۔ اور فسق و فجور گناہ اور نا فرمانی ہے۔

(حاشیہ: 2 اللہ تعالیٰ نے اس میں شرفِ تعمیر کعبہ کا ذکر کیا ہے، اس میں حضرت اسحاق علیہ السلام وغیرہ کا نام نہیں، بلکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا ذکر مبارک آیا ہے۔ مثال کے طور پر: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ (البقرة: 127) ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ (البقرة: 125) تفصیل کے لئے اخبارِ مکہ اور متداول تفاسیر ملاحظہ فرماویں۔ مترجم عبدالرزاق کوثر)

تشریح:

قرآن پاک میں ہے کہ جو خانہ کعبہ میں داخل ہوا، وہ امن میں رہے گا۔ اور

جب طے نہ کیا جائے، تو وہ تمام صورتیں، جن پہ امن کا اطلاق ہو گا، اس میں آ سکتی ہیں۔ اور اگر خاص طور پر طے کیا جائے کہ اس قسم کا امن مراد ہے جیسے بیان کیا گیا ہے، تو پھر امن کی صرف وہی صورت آئے گی۔ چونکہ قرآن کریم میں اس کو عام رکھا گیا ہے، لہذا ہمیں بھی اس کو عام رکھنا چاہئے کہ ان تمام چیزوں سے امن ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ الگ بات ہے کہ ایک خانہ کعبہ کی برکت ہے اور ایک خانہ کعبہ کا احترام ہے۔ خانہ کعبہ کی برکت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ جائے امن ہے۔ لیکن خانہ کعبہ کا احترام بھی ہے اور خانہ کعبہ کے مقام سے استفادہ کے لئے جو تین شرطیں عائد کی گئی ہیں۔ جیسے حدیث مبارکہ میں ہے: "مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ"۔ (مسند ابی یعلی الموصلی، حدیث نمبر: 6198)

ترجمہ: "جس نے حج کیا اور نہ تو حج میں بیوی سے جماع کیا اور نہ ہی فسق و فجور، تو وہ ایسے واپس پلٹتا ہے جیسے آج ہی اسے ماں نے جنم دیا ہے"۔

اور قرآن کریم میں ہے: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرہ: 197)

ترجمہ: "تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا"۔

ان تینوں چیزوں سے احتراز ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک آپ احترام نہ کریں، آپ فیض حاصل نہیں کر سکتے۔ مثلاً: ایک بہت بڑے بزرگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا مقام عطا فرمایا ہے، آپ اگر ان سے ملتے ہیں، تو آپ کو ان کا فیض ملے گا۔ لیکن اگر آپ ان کے پاس جا کر ان کی بے ادبی کریں، ان کی مخالفت کریں، تو ممکن ہے کہ بجائے فیض کے بے ادبی کی سزا مل جائے۔ اسی طرح خانہ کعبہ بھی بزرگ ترین جگہوں میں سے ہے، اس لئے وہاں پر بے ادبی اور زیادہ سخت ہو گی۔ اس لئے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اگر یہاں ایک لاکھ گنا کے برابر ثواب ہے، تو ایک لاکھ گنا کے برابر گناہ بھی ہے۔ لہذا لوگوں کی یہ جو Mechanical thinking, develop ہو گئی ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ Mechanical thinking نہیں ہونی چاہئے۔ جب خانہ کعبہ پہنچ گئے، تو خانہ کعبہ کی جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ ہم پر نافذ ہو گئیں، چاہے ہم اس میں نعوذ باللہ من ذلک بے ادبی کریں، گناہ کریں اور فسق کریں۔ اس طرف لوگوں کا ذہن نہیں جاتا، یہ سارے نفس کے چکر

ہیں، کیوں کہ نفس ماننا نہیں چاہتا۔ لہذا نفس صرف کعبہ کی برکت والی چیز لیتا ہے کہ چونکہ ہم یہاں پہنچ گئے، لہذا ہمیں اس کی برکت حاصل ہو گئی۔ لوگ وہ چیز نہیں لینا چاہتے اور نہ اسے نہیں سمجھنا چاہتے جو ان پر چیک لگاتی ہے یا جو ان پر کنٹرول کرتی ہے، حالانکہ دونوں قرآن کی آیتیں ہیں۔ جب قرآن پاک کی دونوں طرح کی آیتیں ہیں، تو کیوں نہ دونوں کو لیا جائے! دونوں کو لینا چاہئے۔ یہ بنیادی بات ہے کہ اس طرح لوگ اپنے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، اپنے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔

دیکھیں! "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھ کر آپ ماشاء اللہ ایمان میں داخل ہو گئے، لہذا آپ کو اس کا فائدہ ملے گا، یہاں تک کہ آپ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جلیں گے۔ لیکن اس کے بعد: ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (العصر: 3) بھی ہے۔ لہذا اس کے لحاظ سے پھر درجہ بندی ہو گی۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (العصر: 3) یعنی اعمالِ صالحہ کے مطابق درجہ بندی ہو گی۔ مثبت اعمال بھی ہوتے ہیں یعنی اعمالِ صالحہ اور منفی اعمال بھی ہوتے ہیں یعنی اعمالِ قبیحہ، یعنی گناہ کے اعمال۔

لہٰذا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کلمہ پڑھنے سے ایمان کا زورِ صفر سے ایک پہ آ گیا، اس کے بعد اعمالِ صالحہ اس کو بڑھا رہے ہیں۔ چار گنا، پانچ گنا، دس گنا، اٹھارہ گنا، بیس گنا، یوں اعمالِ صالحہ اس کو بڑھا رہے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ گناہ اس کو کم بھی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ ثواب آپ کو جتنا بھی اوپر لے جائے، آپ جا سکتے ہیں، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ لیکن گناہ کے اوپر اللہ نے حد لگائی ہے۔ یہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ نے آج ہمیں بڑا مضمون دیا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیں) گناہ زیادہ سے زیادہ آپ کو ایک تک لا سکتا ہے، اس سے کم نہیں لے جا سکتا، کیونکہ ایمان بحال ہے، ایمان موجود ہے۔ ہاں یہ بات ہو سکتی ہے (اللہ تعالیٰ بچائے) کہ اتنا بڑا گناہ ہو، اتنی بڑی بے ادبی اور گستاخی ہو کہ جس کی وجہ سے ایمان ہی سلب ہو جائے۔ اس کا خطرہ ہوتا ہے، لہذا اس سے بچنا ہوتا ہے کہ کبھی بھی ایسا کام نہ کیا جائے، جس سے ایمان سلب ہو جائے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جن کے بارے میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان سے بہت ڈرنا چاہئے۔ گناہِ کبیرہ پر اصرار سے ایمان کا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ گناہِ کبیرہ پر اصرار

کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: (اللہ بچائے) کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور پھر ان کو ایک سمجھ کر اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔ یہ خطرناک بات ہے، کیونکہ یہ زنا ہے اور زنا پر اصرار گناہِ کبیرہ پر اصرار ہے۔ چنانچہ اس قسم کی خطرناک صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس وجہ سے اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچانا چاہئے۔ یہ خطرناک باتیں ہیں۔ گناہِ کبیرہ پر اصرار سے بچنا چاہئے۔ جب کبھی کوئی ایسی بات ہو جائے تو فوراً توبہ کرلینی چاہئے، تاکہ اس پر اصرار نہ ہو۔

بہر حال! ویسے گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ آپ کو ایک سے نیچے نہیں لے جا سکتا۔ لیکن اس کا یہ اثر ضرور ہو سکتا ہے کہ گناہ ایمان ہی ساتھ لے جائے۔ اور اگر ایمان ساتھ لے گیا، تو پھر ایک سے بھی گیا اور زیرو پہ آ گیا۔ لہٰذا انسان کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہمیں اللہ جل شانہ خانہ کعبہ میں پہنچا دے، تو اس کی مثال یوں لے لیں جیسے ہم نے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھ لیا ہے۔ اس کے بعد جتنے اچھے کام کریں گے، تو ان کے لئے ایک لاکھ کا Multiplication factor موجود ہے۔ اسی طرح جتنے بھی اعمال غلط کریں گے، ان کے لئے بھی ایک لاکھ کا Multiplication factor موجود ہے۔ اس میں بھی ہم یہ امید کرتے ہیں (اللہ بچائے) کہ اگر کوئی اتنا بڑا گناہ کر لے، جس سے وہ ایسے مقام پہ آ جائے گا کہ جیسے وہ خانہ کعبہ میں آیا ہی نہیں۔ لیکن اگر ایسے مقام پر آ جائے جیسے ایمان کے جانے والی بات ہے، تو عین ممکن ہے کہ اسے خانہ کعبہ سے نکال دیا جائے۔ اس لئے ہمیں خانہ کعبہ کے ادب اور اس کے احترام کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ہم یہاں کوئی ایسے کام نہ کریں، جن کی وجہ سے ہم خانہ کعبہ سے گویا کہ نکال دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

متن:

چھٹا باب

قرآن مجید کے اسرار معانی کے بیان میں اور حضرت صاحب کا معانیٔ قرآن کے متعلق علم

ہمارے محترم شیخ صاحب قرآن مجید کے علوم اور علمِ معانی کے اسرار اور رموز

میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ قرآن کریم ایک ناپیدا کنار اتھاہ سمندر ہے۔ رسولِ کریم ﷺ فرماتے ہیں: "جَدِّدِ السَّفِيْنَةَ فَإِنَّ الْبَحْرَ عَمِيْقٌ" (مسند الفردوس، للدیلمی، باب الیاء، رقم الحدیث: 8368) "کشتی کی مضبوطی کا بندوبست کرو، کیونکہ سمندر بہت گہرا ہے"۔ ہمارے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن کے معانی اور رموز کے سمندر کے غوطہ خور تھے۔ بعض اصحاب اور وہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ میرا دل تو معارفِ قرآنی سے واقف و آشنا ہے، مگر میری زبان جاری نہیں ہوتی اور اس کی عبارت کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ بیت: لے

بدریائے در افتادم کہ پایانش نمے بینم
بدردے مبتلا گشتم کہ درمانش نمے بینم

دریں دریا یکے دُر است و من مشتاق آں بودم
ولیکن کو کہ مے جوید کہ فرمائش نمے بینم

"میں ایک ایسے دریا میں گر پڑا کہ اُس کی تہہ نہیں دیکھ سکتا اور ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا، جس کا کوئی علاج معلوم نہیں۔ اس دریا میں ایک موتی ہے اور میں اُس کے پانے کا مشتاق ہوں، لیکن اُس کو ڈھونڈنے کا حکم نہیں، اس لئے ڈھونڈ نہیں سکتا"۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جَدِّدِ السَّفِيْنَةَ فَإِنَّ الْبَحْرَ عَمِيْقٌ" (مسند الفردوس، للدیلمی، باب الیاء، رقم الحدیث: 8368) یعنی اے محبوب! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنے دل کی کشتی کو مضبوط بناؤ کہ قرآن کریم کا دریا بہت گہرا ہے۔ "اَلْقُرْاٰنُ بَحْرٌ عَمِيْقٌ وَّالْاَكْثَرُ غَرِيْقٌ" کہ قرآن کریم ایک گہرا سمندر ہے اور اکثر لوگ اس میں ڈوب جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (البقرۃ: 26) "گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ھدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو"۔ یہ آیت کلام اللہ کے طرف اشارہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی کی جانب بھی مشیر ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ قرآن تجھ پر نازل ہوا ہے، اگر یہ

پتھروں پر بھی نازل ہوتا، تو قسم ہے کہ وہ پتھر پگھل کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے پانی ہو جاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر:21) "اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر، تو تُو دیکھتا کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ تعالیٰ کے ڈر سے"۔

اے میرے پیارے! جب قرآن کریم اپنے حُسن و جمال سے غیرت کا نقاب ہٹاتا ہے اور عظمت کا حجاب اپنے معانی سے اُٹھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے جدائی کے بیمار فنا ہو جاتے ہیں اور تمام مصائب سے نجات پاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "اَلْقُرْاٰنُ هُوَ دَاءٌ" (لم أجد هذا الحديث) یعنی اپنے طالب کو قتل کرتا ہے، (یعنی فنا کرتا ہے) تاکہ وہ اپنے مطلوب تک پہنچ جائے۔ پس اے بھائی! اللہ نے قرآن کریم کو اِس دنیا میں حروف کے لباس میں ارسال فرمایا ہے، اور پھر ہر حروف کے اندر لاکھوں حسین و جمیل جاں ربا اشارے پوشیدہ کر رکھے ہیں اور اعلان فرمایا کہ ﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الذاریات:55) "اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا نفع پہنچاتا ہے ایمان والوں کو"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ تُو اپنی رسالتِ حقہ کا جال پھیلا اور اپنے خُلقِ عظیم کا دانہ اس جال میں پھیلا کر ڈال رکھ، جو ہمارے شکار ہیں، وہ آپ کے اس جال میں آ جائیں گے۔ بیگانوں اور اغیار کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (البقرۃ:6) "بے شک جو لوگ کافر ہو چکے، برابر ہے اُن کو تُو ڈرائے یا نہ ڈرائے، وہ ایمان نہ لائیں گے"۔ جو کچھ کہ تھا اور جو کچھ کہ آئندہ ہو گا، سب کچھ قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الأنعام:59) "اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز، مگر یہ کہ وہ سب کتابِ مبین میں ہے"۔ یہ ظاہر بین علماء کہاں یہ بات جانتے ہیں اور کیا جانتے ہیں؟ افسوس! صد افسوس! کہ قرآن مجید اس پردے میں ہے، جس سے ظاہر بین علما محروم ہیں۔ پس قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا اپنے دوستوں کے ساتھ مکالمہ اور خطاب ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:9)

تشریح:

اللہ جل شانہ نے یہ کلام ہمیشہ کے لئے نازل فرمایا ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

اس میں ہماری ہدایت کی تمام چیزیں رکھ دی ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بھی ایسی ہے اور قرآن پاک بھی ایسا ہے، یعنی آپ ﷺ کی ذات بھی مظہرِ ہدایت ہے، قیامت تک آپ ﷺ کی سنتوں سے ہدایت ملا کرے گی، لہٰذا جو شخص بھی چاہتا ہے کہ وہ ہدایت حاصل کرے، تو وہ آپ ﷺ کے طریقہ پہ آنکھیں بند کر کے چلے، اس کو ہدایت ملے گی۔ اسی طرح جو بھی شخص ہدایت چاہتا ہے، وہ قرآن پر عمل کرنا شروع کرے، اس کو ہدایت ملے گی۔ اور چونکہ لوگوں میں بھی درجے ہوتے ہیں، چنانچہ ایک بہت بڑا عارف بھی قرآن پڑھتا ہے، اور بالکل ابھی ابتدا کرنے والا مومن بھی قرآن پڑھتا ہے، دونوں کو ایک ہی ذریعے سے مل رہا ہے۔ لیکن دونوں کو برابر نہیں ملتا۔ بہر حال ملتا ایک ہی ذریعے سے ہے۔ لہٰذا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس میں حجابات ہوتے ہیں، وہ حجابات انسان کے مرتبہ کے مطابق کھلتے ہیں، جس کا جتنا مرتبہ ہوتا ہے، اس سے آپ ﷺ کی ذات مبارک اور قرآن پاک کے متعلق اتنے حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اور جتنے جتنے حجابات اٹھیں گے اتنے ہی علوم و معارف ان کے اوپر کھلیں گے۔ جو بہت بڑا عارف ہے، اس کے حجابات بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں، لہٰذا وہ قرآن کو اُس حد تک لیتا ہے، اس کو قرآن کے اندر علوم و معارف کے سمندر نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فضائلِ اعمال" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بہت بڑے بزرگ سے ایک بہت بڑے عالم بیعت ہوئے، اس عالم کو اس بزرگ نے فرمایا کہ سوائے موقوت فرض نماز کے سب کو مؤخر کر دیں۔ یعنی جن نمازوں کے لئے وقت مقرر ہے، وہ تو آپ نے پڑھنی ہیں، باقی وہ تمام اعمال جو موقوت نہیں ہیں، یعنی جن کو مؤخر کیا جا سکتا ہے، ان کو فی الحال مؤخر کر دیں۔ جیسے وعظ و نصیحت ہے یا ذکر اذکار ہیں، سب موقوف کر دیں۔ صرف "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ" کا ذکر کرو، جس کا طریقہ انہیں بتا دیا۔ اب اتنے بڑے عالم کو اگر کوئی اس طرح کہہ دے، تو یہ واقعی بڑا مشکل کام ہوتا ہے، کیونکہ بڑی دنیا وابستہ ہوتی ہے۔ در اصل ان کو یکسوئی کی طرف لایا گیا تھا کہ یکسوئی کے ساتھ "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ" کا مشاہدہ نصیب ہو۔ میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں، جیسے پانی دو سو فٹ پر ہے، آپ چار کنویں پچاس پچاس فٹ کے کھود لیں، کیا پانی مل جائے گا؟ کنویں تو چار ہیں، لیکن پانی نہیں آیا۔ ایک کنواں دو سو فٹ کا کھود لیں،

پانی مل جائے گا۔ یہی یکسوئی کی ایک مثال ہے۔ لہٰذا حاصل کرنے کے جو بھی ذرائع ہیں اور جس ذریعے سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، ان میں سے کوئی ایک ذریعہ اتنی یکسوئی کے ساتھ اختیار کر لو کہ آپ کو مطلوب مل جائے تو آپ کا کام ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت نے یکسوئی کے ساتھ "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ" کا ذکر کرنے کا اور باقی تمام کام چھوڑنے کا فرمایا۔ وہ سمجھ گئے، لہٰذا انہوں نے وہ عمل شروع کر لیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت کو اطلاع ہو گئی کہ وہ قرآن کا درس دیتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ شاید اس سے نہیں روکا ہو گا۔ حضرت نے اطلاع بھیجی کہ فی الحال اس کو بھی مؤخر کر دیں، اس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا کہ یہ کیسا پیر ہے جو قرآن کے درس سے منع کرتا ہے، اور کیسا مرید ہے کہ پیر کی ایسی بات بھی مان لیتا ہے۔ پیر کو بھی لوگوں نے زندیق قرار دیا، کیونکہ مخالفین تو ہوتے ہیں، اور پھر دوسرے سادہ لوگ بھی ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ مشہور کر دیا کہ پیر بھی زندیق اور مرید بھی زندیق، اس کا ڈھنڈورا پیٹا۔ لیکن دونوں حضرات اپنے کام میں مگن تھے، ان کو کوئی اثر نہیں ہوا۔ نہ پیر نے حکم واپس لیا، نہ مرید نے عمل کرنا چھوڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد جس مقصود تک پہنچانا تھا، وہاں پہنچ گئے اور پھر حضرت نے فرمایا کہ اب قرآن کا درس دو۔ اس کے بعد وہ مرید فرماتے ہیں کہ پہلے بھی میں قرآن کا درس دیتا تھا، لیکن اس میں میں صرف وہ چیزیں پڑھاتا تھا جو میں نے پڑھی ہوتی تھیں، گویا کسبی علم بتاتا تھا۔ اس کے بعد جب مجھے حضرت نے یہ حکم دیا تو یہ حالت تھی کہ قرآن کے اسرار مجھ پر کھلنا شروع ہو گئے کہ میں ہر ہر لفظ کے پیچھے علوم کے سمندر پاتا تھا، بس یہی تبدیلی تھی۔ "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ" نے حجابات دور کرا دیئے۔ جب حجابات دور ہو گئے تو قرآن وہی تھا، قرآن میں تبدیلی نہیں آئی، تاہم حجابات دور ہو گئے۔ لہٰذا پہلے ان کو صرف وہی معنے نظر آتے تھے جو انہوں نے پڑھے ہوتے تھے، اب ان کو وہ معنے بھی نظر آنے لگے جو انہوں نے پڑھے نہیں تھے، لیکن موجود تھے، وہ بھی ان کو نظر آنے لگے۔ یہ اصل میں بنیادی بات ہے۔ چنانچہ قرآن کی جو ہمہ گیری ہے، وسعت ہے، عمق ہے، جتنے جتنے حجابات دور ہوتے جائیں گے، اتنے اتنے یہ ظاہر ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی ذات مقدس کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔

متن:

پس قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا اپنے دوستوں کے ساتھ مکالمہ اور خطاب ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر: 9) اور ظاہری طور پر دیکھنے والوں کے لیے ظاہری حروف و کلمات کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ یعنی ظاہری طور پر تو سنتے ہیں لیکن باطن کے سننے میں یہ لوگ بے بہرہ ہیں۔ ﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ (الشعراء: 212) "اُن کو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے" اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ ﴿لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ (الأنفال: 23) "اور اگر اللہ جانتا اُن میں کچھ بھلائی تو اُن کو سنا دیتا"

اب اے میرے عزیز بھائی! جان لے کہ محمد حسین صاحب فرما گئے ہیں کہ اہلِ حقیقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اَهْلُ الْقُرْاٰنِ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ" (سنن ابن ماجۃ، باب: فضل من تعلم القرآن وعلّمہ، رقم الحدیث: 215) یعنی قرآن والے اللہ تعالیٰ کے خاص اور اہل ہیں۔ اب قاری حضرات محض قرأت کی وجہ سے اور مفسرین حضرات تفسیر اور بیان کی وجہ سے اس حدیث شریف کے ظاہر کو اپنی شان میں تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اُن کی بڑی غلطی ہے اور وہ یہ بات نہیں سمجھتے۔ اہل قرآن اور اہل اللہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کے حقیقت شناس ہوں اور حقائق قرآنی کے مشاہدہ کرنے والے ہوں۔ پس اہلِ قرآن اُس مقام میں ہیں کہ تمام قرآن کو بائے "بِسْمِ اللّٰهِ" میں دیکھتے ہیں۔ پس اے میرے عزیز بھائی! اگر تو صرف زبان سے کہے کہ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ: 284) یعنی "جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہیں وہ سب اللہ کے ہیں"۔ یعنی جو کچھ کہ زمینوں اور آسمانوں میں ہیں سب ہی کہہ دو۔ اور جب اس آیت کا مشاہدہ کیا جائے اور اس آیت کے حسن و جمال سے عزت و جلال کا نقاب ہٹا کر اِس کو بغور دیکھا جائے اور تم اس کے جمال سے آگاہ اور واقف ہو جاؤ تو فوراً پکار اٹھو گے کہ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ: 284) اور جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں کی وسعتوں میں ہے وہ بیک نگاہ سب دیکھ پاؤ گے۔ تم اُن کا مشاہدہ کرو گے اور ہر ایک کو پہچانو گے اور ان کے ناموں کو بھی جانو گے۔ پس اے میرے عزیز! اگر ہر ایک کا جدا جدا نام لوگے تو بہت زیادہ عرصہ گزرے گا لیکن جب تم یہ کہو گے کہ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ: 284) تو یہ سب کہو گے اور

اِن سب کا مشاہدہ کرو گے اور اِس وقت اپنے آپ کو ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ (النساء: 126) کے دائرے اور احاطے کے اندر دیکھو گے۔

تشریح:

یہ فرمایا ہے کہ جب حجابات دور ہوں گے تو کیا ہو گا؟ قرآن میں ہے: ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ: 284) ایک یہ آیت ہے، ایک اس کا ترجمہ ہے، ایک اس کی حقیقت ہے۔ جب حقیقت کھلے گی تو وہ ساری چیزیں آپ پر کھل جائیں گی جو اس میں پنہاں ہیں۔ لہٰذا جو صاحبِ حقیقت ہوتا ہے اس کو ایک ایک لفظ کے اندر سمندر نظر آتے ہیں، اور وہ اس سے مستفید ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۂ فاتحہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب سورۂ فاتحہ میں آ گیا اور جو سورۂ فاتحہ میں تھا وہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں آ گیا اور جو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں ہے، وہ "ب" میں آ گیا اور جو ابتداء والی "ب" میں ہے، وہ سارا اس نقطۂ وحدت میں آ گیا۔ چنانچہ جو عارف ہو، اس کے لئے یہ چیزیں نا ممکن نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس درجے کی بھی معرفت دی ہے، وہ اتنی ہی معرفت کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے، سیکھتا ہے، سنتا ہے، سمجھاتا ہے، اور اس پر اس کے مطابق اثر ہوتا ہے۔

متن:

یا اپنے آپ کو بائے "بِسْمِ اللّٰهِ" کے نیچے کے نقطے میں دیکھو گے تو اس وقت تمہیں بائے "بِسْمِ اللّٰهِ" کی عظمت و جلال کا احساس ہو گا کہ یہ "بِسْمِ اللّٰهِ" اور اس کا نقطہ محرمانِ درگاہ اور مقرب بندوں کے دلوں کے ساتھ عظیم جلوہ دکھاتا ہے۔ پس جو باء کے نقطے میں دیکھو گے جس سے اب تک تم واقف نہ ہو اور اس طرح جب تم سین یا میم کا جمال دیکھو گے تو سمجھ لو گے کہ قرآن کریم کیا ہے اور قرآن جاننے والا کون ہے، تو اِس وقت اہل اللہ ہو جاؤ گے اور محرم راز بن جاؤ گے۔ تم پہلے اس وقت میں کالے حروف اور سفید کاغذ کے علاوہ کچھ نہ دیکھتے تھے۔ اور یہ مسلّمہ بات ہے کہ جب تم اپنے ہوش و وجود میں رہو گے تو اس سیاہی اور سفیدی کے علاوہ کچھ نہ دیکھو گے،

تشریح:

یعنی کاغذ سفید ہے، اس پہ سیاہی حروف ہیں۔

اور جب وجود کے خول سے باہر نکل آؤ گے تو اللہ کا کلام تمہارے وجود کو خود بخود محو کر دے گا۔ اُس وقت یہ تمہیں محو سے اثبات تک پہنچایا جائے گا کہ ﴿يَمْحُوْ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ (الرعد:39) اس کے بعد تمہیں کچھ بھی کالا نظر نہ آئے گا۔ یعنی سب ہی سفید ہی سفید دیکھو گے یعنی تمام برائیاں تجھے نیکیاں نظر آئیں گی۔

ابیات:۔

ہر آں نقشے کہ در صحرا نہادیم
تو زیبا بین کہ ما زیبا نہادیم

"جو نقش کہ ہم نے صحراء میں بنا چھوڑا ہے، تو اس کو خوبصورت نظر سے دیکھ کہ ہم نے اُس کو حسین بنایا ہے"

اور جب تم اِس صحیفۂ کائنات کو دیکھو گے تو پکار اٹھو گے: ﴿وَعِنْدَهٗٓ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ (الرعد:39)

تشریح:

واقعتاً نظر نظر کی بات ہے۔ میں جب دِیر گیا تھا، دِیر میں پہاڑی علاقہ ہے، جہاں ہمارے دوست مولانا صالح صاحب کی خانقاہ میں بھی گیا تھا، صرف پہاڑ تھے، کوئی خاص سر سبز بھی نہیں تھے، لیکن وہاں کی زمینوں کی قیمت پتا چلی تو وہ بہت زیادہ تھی۔ میں نے پوچھا: مولانا صاحب! یہ زمین اتنی مہنگی کیوں ہے؟ یہاں ایسا کیا ہے؟ کہتے ہیں: بس لوگ نہیں دیتے۔ بالکل یہی بات بنوں میں ہے، وہاں بھی زمین کی قیمتیں اسلام آباد کی طرح بہت زیادہ ہیں۔ آدمی حیران ہوتا ہے کہ یہاں کیا ہے! آخر کیوں لوگ ادھر سے آگے پیچھے نہیں ہوتے! بس ان کی نظر میں وہ چیز آگئی ہے، وہ اسی کے حساب سے قیمت لگاتے ہیں۔ بعض لوگوں کو ان کی آنکھ کے مطابق اور ان کی سمجھ کے مطابق صحرا گلستان سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کو کسی کے لئے حسین بنا دے۔ کہتے ہیں مجنون سے کسی نے کہا کہ لیلیٰ تو کالی ہے۔

اس نے کہا تم مجنون کی آنکھوں سے دیکھو گے تو پھر حسن نظر آئے گا۔ در اصل دل کا تعلق جس چیز کے ساتھ ہو جائے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ بہر حال خواہ مخواہ اپنے آپ کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔

ایک بات اس میں اور بھی آ گئی ہے کہ: "اللہ کا دوست بن جائے گا"۔ ایک بات یاد رکھئے کہ اس دنیا میں وَلِیُّ اللہ ہونا یعنی اللہ کی دوستی بہت بڑی دولت ہے۔ لیکن دوست کو جو راز اور معارف بتائے جاتے ہیں، وہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو بتانے کے ہوں۔ جو وہ راز ہر ایک کو بتائے گا، اسے دوستی سے نکالا جا سکتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ دوست دوستی کے قابل نہیں، جو دوست کے راز کو راز نہ رکھ سکے۔ جو راز نہیں رکھ سکتا، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ معتوب ہو جاتا ہے۔ لیکن اب وہ تو راز رکھنا چاہتا ہے، مگر ایک آدمی اس کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے اور اس سے وہ راز نکلوانا چاہتا ہے۔ سوچئے وہ کیسا بن جاتا ہے؟ عین ممکن ہے وہ چور کے زمرے میں آئے۔ کیونکہ چور دوسرے کے خلاف چوری کرتا ہے۔ چونکہ لوگ اپنی چیزوں کو چوری نہیں ہونے دینا چاہتے، لیکن چور کسی ایسے وقت میں آتا ہے اور اس طریقے سے آتا ہے کہ مالک کو پتا ہی نہیں چلتا اور اس کی چیز وہ لے جاتا ہے۔

اسی طرح وہ قرائن اور علامات سے، ادھر ادھر سے حساب کتاب کر کے، کوشش کر کے، اپنے اندازے لگا کر اس راز کو لے اڑتا ہے۔ اور جو اس کو راز رکھنا چاہتا تھا، آگے پہنچانا نہیں چاہتا تھا، وہ تو گناہ گار نہیں ہوا، لیکن جس نے اس سے چوری کرنے کی کوشش کی، وہ تو ہو گیا۔

یہی چیزیں میں آج کل سمجھانا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے سلسلہ میں اس قسم کی گڑبڑ شروع ہو گئی ہے، لوگ خواہ مخواہ ان چیزوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے. حالانکہ جتنا بتا دیا جائے، اتنے پر اکتفاء کرو۔ اگر بتانا ہوتا تو بتا دیا جاتا۔ اور پھر بتانے سے ذمہ دار ہو جاؤ گے۔ ہم جب اٹامک کمیشن میں تھے، تو وہاں چیزوں کو خفیہ رکھنا لازمی تھا، اور یہ ہماری ذمہ داری تھی۔ میں اس پر خوش ہوتا تھا کہ مجھے کوئی راز نہ بتائے۔ میرے شاگرد مختلف High classified

project پہ کام کرتے تھے، بعض دفعہ وہ مجھ سے academically discuss بھی کرتے تھے، لیکن میری پوری کوشش ہوتی تھی کہ میں اس کے راز تک نہ پہنچوں، کیونکہ میں اگر اس کے راز تک پہنچتا ہوں تو میں ذمہ دار ہو جاؤں گا اور پھر میں اس کو محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہوں گا۔ اگر میں راز نہیں رکھتا تو ذمہ دار ہو جاؤں گا اور یہ جرم ہو جائے گا۔

مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب جو ساتھی تھے، بعض دفعہ وہ بھی مجھ سے کچھ کرید کرتے تھے کہ کیا ہو گیا ہے؟ میں تنگ ہوتا تھا کہ میں ان کو کیا بتاؤں۔ کیونکہ ہم نے کچھ نہ بتانے کا ایک حلف نامہ سائن کیا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے پھر اس کو گپ بنا لیا، گپ بننے سے سنجیدگی ختم ہو جاتی ہے، گپ اس طرح بنا دیا کہ میں کہتا کہ ہاں! بن چکا ہے، بس اس پہ لڑائی ہو رہی ہے کہ اس کا رنگ سفید ہو یا سبز ہو یا سرخ ہو، بس اس پہ لڑائی چل رہی ہے، اب دیکھتے ہیں، پتا نہیں کون سا رنگ اس کو دیا جاتا ہے۔ یوں میں نے اس کو گپ سا بنا دیا تاکہ گپ میں ہی بات ختم ہو جائے۔ بہر حال اگر کسی کو کوئی راز معلوم ہو گیا تو اس راز کو راز رکھنا اور کسی اور کو نہ بتانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ مجبوری ہوتی ہے، ورنہ وہ اس کو پھیلانے والوں میں سے ہو گا، اور پھیلانے میں مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پھر اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتا، بلکہ کچھ اپنے نفس کی چیزیں بھی اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ جتنا تھا، اتنا نہیں رہتا، بلکہ اس سے بڑھتے بڑھتے پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا کہ میں آج کل بیت الخلاء جاتا ہوں تو میرا پاخانے سیاہ کوے کی طرح ہوتا ہے جیسے خون آ رہا ہو۔ یہ بات آگے پھیلتے پھیلتے یہاں تک پہنچ گئی کہ آخری آدمی نے کہا کہ اس کے پاخانے سے کوے اڑتے ہیں۔ لہٰذا یہ تو حقیقت ہے کہ بات اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتی، بلکہ ہوتے ہوتے پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ کبھی بھی کسی کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، بالخصوص جب شیخ کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ اگر شیخ کوئی چیز نہ بتائے تو اشارے کنایے میں بھی معلوم نہ کی جائے۔ میں آپ کو فقہ کا ایک اصول بتا دیتا ہوں، شاید اس سے آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آ جائے گی۔ فقہ کا ایک اصول ہے کہ اگر آپ سے کوئی بات کرنا چاہے اور بات کرنے کے دوران پیچھے

کی طرف دیکھے کہ کوئی ہے تو نہیں۔ تو گویا اس نے آپ کو اشارتاً بتا دیا کہ یہ بات کسی کو بتانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ" (ابوداؤد، حدیث نمبر:4869)

ترجمہ: "مجلسیں امانت ہیں"۔

لہٰذا اشارے سے سمجھنا چاہیے۔ جب معلوم ہو گیا کہ یہ کسی اور کو نہیں بتانا تو بس اس پہ عمل کرنا چاہیے۔ اور اگر شیخ اشارہ نہ کرے بلکہ صراحتاً بتا دے تو پھر تو بالکل بھی نہیں بتانا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر چیز ہر ایک کے لئے نہیں ہوتی۔ اگر ہر ایک کے لئے ہوتی تو پھر بتا دیا جاتا۔ بعض دفعہ ایک صحیح چیز ہوتی ہے، لیکن سمجھ میں آنے والی نہیں ہوتی، اس لئے وہ بے چارہ فتنے میں پڑ جاتا ہے اور الجھن کا شکار ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ دین سے بھی جا سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ کچھ ایسی چیزیں ہیں، جو میں نے بتا دی ہیں، اور کچھ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر میں وہ بتاؤں تو مجھے لوگ قتل کر دیں گے، میرا سر اڑا دیں گے۔ کچھ لوگ نا سمجھ ہوتے ہیں، جیسے خوارج، جنہوں نے صحابہ کرام کو شہید کیا تھا، وہ نا سمجھی کی وجہ سے تھا۔ بعض دفعہ بات صحیح ہوتی ہے، جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خوارج کے کچھ لوگ آئے اور امام صاحب کو مارنا چاہا، امام صاحب نے کہا: مجھے مارنا مقصود ہے یا کوئی وجہ بھی ہے؟ انہوں نے کہا وجہ ہے کیونکہ تم غلط باتیں کرتے ہو، تم فاتحہ خلف الامام کو نہیں مانتے۔ امام صاحب نے کہا: اس پر بات کر لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا، پھر پہلے ہم بات کر لیتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا: یہ بتاؤ کہ سارے مل کر مجھ سے بات کرنا چاہو گے یا کسی ایک کو اپنی طرف سے مقرر کر کے بات کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم ایک آدمی مقرر کر لیتے ہیں جو آپ کے ساتھ بات کرے گا۔ امام صاحب نے کہا: کرو مقرر۔ سب نے مل کر مشورہ کر کے ایک آدمی کو مقرر کیا کہ یہ آپ سے ہماری طرف سے بات کرے گا۔ امام صاحب نے کہا: اس کی بات آپ سب کی طرف سے ہے یا نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: جی! ہم سب کی طرف سے ہے، کیونکہ ہم نے مقرر کر لیا ہے۔ جب وہ آدمی آ گیا تو امام صاحب نے کہا: کس چیز پہ بات کرنی ہے؟ وہ کہنے لگے: فاتحہ خلف الامام پر۔ امام صاحب نے کہا: وہ مسئلہ تو طے ہو گیا، کوئی اور بات کرو۔ وہ کہنے لگے: کیسے طے ہو گیا؟ ابھی تو بات چلی

ہی نہیں۔ امام صاحب نے کہا: تم سب نے اپنی طرف سے جو ایک آدمی مقرر کیا ہے، اس کی بات تم سب کی طرف سے ہے، بالکل اسی طرح امام جو قرات کر رہا ہے وہ بھی سب کی طرف سے ہے۔ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔ وہ سب شرمندہ ہو کے سر نیچے کر کے چل دیئے۔ لیکن امام صاحب کی طرح ہر آدمی تو اتنا ذہین نہیں ہوتا کہ فوری طور پر اس کے لئے پلان بنا لے اور اس طرح بات کرے۔ لیکن بات تو ان کی بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ اور نا سمجھی سے لوگ مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

بہر حال ہر بات ہر ایک کو اس لئے نہیں بتائی جاتی کہ ہر ایک اس کا اہل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ جتنا بتایا جائے، اتنا سنا جائے اور اس کو پھر راز رکھا جائے، جب تک اجازت نہ ہو، وہ دوسرے کو نہ بتایا جائے، ورنہ بے اعتماد ہو جاؤ گے، پھر تمہیں کچھ نہیں بتایا جائے گا۔ پھر تمہیں اپنے ساتھ شامل بھی نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دے دیا ہے کہ جو دوست کا راز نہیں رکھ سکتا، وہ دوستی کے قابل نہیں۔ یہ سب باتیں میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ ہمارے پاس کوئی راز ہیں، راز ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں صرف یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میں کسی کو کوئی چیز بتا دوں اور میں نے کسی کو اس کے بتانے کی اجازت نہ دی ہو، تو وہ اس کے پاس امانت ہے۔ کیونکہ کسی بھی چیز کو درجہ بندی کے لحاظ سے سمجھانا ہوتا ہے، ہر ہر چیز کا اپنا اپنا درجہ ہوتا ہے، ہر ایک کو ان چیزوں کی سمجھ نہیں ہوتی۔ لہٰذا پھر وہ غلط طریقے سے ایسے لوگوں کو بتا سکتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوں گے، نتیجتاً وہ فساد برپا کر دیں گے، لوگ خواہ مخواہ بدگمانیاں کریں گے اور اس سے نقصان ہو گا۔

متن:

اس کے پاس اُم الکتاب ہے" پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو کئی ہزار حجابوں اور پردوں میں ملفوف کر کے اپنی مخلوق کے پاس بھیجا ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہ شریف کی جلالت عرش مجید یا آسمانوں پر رکھ دی جاتی تو تابِ جمال سے فوراً ٹوٹ پڑتے اور پگھل جاتے کہ ﴿لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر: آیت 21)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ "كُلُّ حَرْفٍ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ أَعْظَمُ مِنْ جَبَلِ قَافٍ" (لم أجد هذا الحديث) یعنی قرآن کریم کا ہر حرف لوح محفوظ میں کوہِ قاف سے بہت بڑا ہے۔ اور یہ لوح مسلمانوں کے سینوں میں ہے۔ ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر: 22) اور تم یہ قاف جانتے ہو کہ کیا ہے: ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ (ق: 1) "قاف اور قرآن مجید کی قسم" پس اے میرے بھائی! ہر عالَم میں علماءِ ربانی قرآن کریم کے جدا جدا معزز نام لیتے ہیں، اور دوسرے عالَم میں پہلا نام نہیں لیتے بلکہ دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک عالَم اور ایک پردے میں اس کلام اللہ کو قرآن مجید کہتے ہیں: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ (البروج: 21) دوسرے پردے میں اس کو "مبین" کہتے ہیں، تیسرے میں "عظیم" کہتے ہیں، پھر چوتھے پردے میں اِس کو "عزیز" بولتے ہیں: ﴿إِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ﴾ (فصلت: 41) کسی میں "کریم" کہلاتا ہے: ﴿إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ﴾ (الواقعة: 77) دوسرے جہاں میں ایک جگہ "حکیم" نام سے یاد کیا جاتا ہے: ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ (یٰس: 2) پس اے عزیز! قرآن کریم کے ہزار نام اس عالَم میں ہیں، اور عرش سے ثریٰ تک ایک عالَم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اتنے بے شمار عالَم ہیں کہ ان کی حقیقت مصطفےٰ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سب اولیاء و انبیاء میں سے کسی کو بھی ان کی خبر نہیں۔

پس اے میرے بھائی! ہم اس کے علم کے بارے میں حیران و سرگرداں ہیں، اور کچھ نہیں جانتے۔ یہ بات غور سے سنو! کہ معراج کی رات جب رسول اللہ ﷺ پہلے آسمان پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ بہت سے اونٹ ایک دوسرے کے ساتھ قطار میں باندھے ہوئے جا رہے ہیں، اور ان کا اگلا پچھلا سرا کسی کو معلوم نہیں۔ جبرائیل امین نے کہا کہ اے رسول اللہ! ﷺ جس دن سے میں پیدا ہوا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ اونٹوں کی قطار چلی جا رہی ہے، اور مجھ سے پہلے اُن کے چلتے رہنے کا یہ سلسلہ جاری تھا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ کب تک یہ چلتے رہیں گے، اور میں نے تمام پیغمبروں سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس کے بارے میں پوچھا ہے، کسی کو بھی معلوم نہیں۔ میں نے پریشان ہو کر اللہ جل جلالہ سے پوچھا تو وہاں سے حکم صادر ہوا کہ ٹھہرو! میرا حبیب جب تشریف لائے (ان اونٹوں

پر جو لدا ہوا ہے وہ سب اُس کے مبارک وجود کی وجہ سے ہے) اُن سے پوچھنا، تمہاری مُراد حاصل ہو جائے گی۔ پس جبرائیل علیہ السلام نے آقائے دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ فرمائیے یہ اونٹ کہاں جا رہے ہیں اور ان کے اوپر کیا چیز لدی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ ایک اونٹ کھول کر لے آؤ، حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک اونٹ کھول کر لے آئے، اس اونٹ کے اوپر ایک صندوق پڑا تھا جس کو مقفل کیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل کو ارشاد فرمایا کہ قفل کھول دے۔ جب تالا کھولا گیا اور صندوق کو کھول کر دیکھا تو صندوق کے اندر سات آسمان، زمین پہاڑ، درخت، شہر اور گاؤں، آبادیاں، اسلام، کفر، ملتیں اور اور مختلف دین، مساجد، دیر و کعبہ، کلیسا، آسمان، فرشتے، عرش، کرسی، لوح اور قلم اور تمام مقرب فرشتے سب کہہ رہے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور یہ وہی معراج کی مبارک رات ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو لے جا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرائیل سُن لے کہ یہ تمام اونٹ جو تم دیکھ رہے ہو ان پر جو صندوق لدے ہوئے ہیں اور ہر صندوق میں اس طرح کا عالم بنایا گیا ہے اور ہر عالَم میں محمد مَیں ہوں۔ اِس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے اونٹ کی مہار دوبارہ باندھ دی۔ اونٹ دوبارہ روانہ ہوئے اور جبرائیل علیہ السلام خدا کی ثنا اور نعت میں مشغول ہوئے۔

شیخ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے پیر کے مشاہدات کی تجلیات سے ظاہر ہوا ہے، اگر ان میں سے کسی حرف کا اظہار کر دوں تو وہ تمام دینی علوم جو لوگ سیکھ چکے ہیں اور جو لوگوں کو پیش آ چکے ہیں اور جو کچھ رسومات وغیرہ سے سیکھ چکے ہیں، وہ سب کچھ باطل اور غلط سمجھیں گے اور اپنی ہستی کو نیستی اور پستی میں تصور کریں گے۔ اور مزید فرمایا کہ اس فقیر کو ہر وقت یہ الہام پہنچایا جاتا ہے اور مجھے کہا جاتا ہے، بیت:۔

چو تو سرنائے منی بے دم من نالہ مکن
تا چوں چنگت نتوازم زنوا ہیچ مگوئی

پھر انہوں نے فرمایا اور میں نے اُس الہام کے جواب میں کہا کہ، بیت:

آتش زدی و گفتی کہ مرا ھیچ مگوی
ہم چو گل خندہ زد گفت در آتا بینی
ہمہ آتش سمن برگ کتان ہیچ مگو
دست خود را برگزیدم کہ فغان از غم تو
گفت من زان قوام اوست فغان ھیچ مگو!

"مجھ کو آگ لگا کے کہہ دیا کہ کچھ نہ کہوں۔ پھول کی طرح ہنس پڑا اور کہا، کہ آو دیکھ لو تم، آگ ہے اور برگ کتان (یعنی آگ اور روئی کا ملاپ ہے) تم بیچ میں کچھ نہ کہو۔

تشریح:

اللہ جل شانہ بڑے ہیں، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑے ہیں، اللہ جل شانہ کی قدرت بڑی ہے، اللہ جل شانہ نے جتنے لوگوں کو پیدا کیا ہے، جتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے، وہ ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ دوسری چیزوں کو چھوڑیں، scientific زبان میں اگر دیکھا جائے، تو ہم کتنی چیزوں کو دیکھتے ہیں؟ ہماری دیکھنے والی spectrum کتنی ہے؟ خود ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ سائنس دان بھی کہتے ہیں کہ بہت کچھ ہے، جو ہم نہیں دیکھتے۔ جیسے Black holes کیا ہیں؟ Hidden matter کتنا ہے؟ ظاہر ہے ہم بہت کچھ نہیں جانتے۔ باقی چیزوں کو چھوڑیں، ہمارا جسم ایک ہے، اس ایک جسم کے اندر جو کچھ ہے، کیا ڈاکٹر لوگ ابھی تک اس کو سمجھ پائے ہیں؟ ریسرچ پر ریسرچ ہو رہی ہے، پیپرز پر پیپرز لکھے جا رہے ہیں، لیکن ابھی تک اس میں کتنا hidden ہے؟ دماغ کو لے لو، دماغ کے کتنے حصے کا مطالعہ کر چکے ہو؟ نیند کی pathology clear نہیں ہے، اور پتا نہیں کتنی چیزیں ہیں۔ ہماری آنکھ کو دیکھو، ہمارے Eye specialist کہتے ہیں: جب میں آنکھ کا آپریشن کرتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ یا اللہ! یہ کیا ہے؟ واقعتاً عام لوگوں کے لئے یہ صرف ایک آنکھ ہے، اس کے اندر کتنے لاکھوں crons ہیں اور کتنے rods

ہیں۔ پھر ان کو کیسے ملایا گیا ہے، پھر سب کو خون کیسے پہنچتا ہے؟ اور سب میسیج کو کیسے collect کر رہے ہیں؟ پھر میسیج کو جمع کیسے کیا جا رہا ہے؟ پھر Brain center میں کیسے لے جایا جاتا ہے؟ وہاں سے تصویر کیسے بنتی ہے؟ یہ پوری ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ گردے کو دیکھو، جگر کو دیکھو، ہر ایک کا اپنا اپنا ایک پورا عجیب نظام ہے۔ یہ تو ایک انسان کا حال ہے اور پھر ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ یعنی ایک بھی ہے اور مختلف بھی ہے، کسی کے بھی Finger prints دوسرے کسی سے نہیں ملتے۔ حتیٰ کہ آواز بھی نہیں ملتی۔ ویسے عام طور پر تو ممکن ہے ایک جیسی لگیں۔ لیکن اگر آپ بہت حساس آلات سے دیکھیں تو آوازیں آپس میں نہیں ملا کرتیں، ان میں فرق ہوتا ہے، چہرے میں فرق ہوتا ہے۔ بظاہر تو آپ کہیں گے کہ فلاں چہرہ فلاں چہرے سے ملتا ہے، لیکن آپ ذرا گہری نظر سے دیکھیں گے تو اس میں فرق نظر آئے گا۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہری اشیاء میں ہے، اور جو باطنی چیزوں کے اندر فرق ہوتا ہے، اس کا ادراک تو نا ممکن ہے۔ چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، لہٰذا اس میں انسان سرگرداں ہی رہتا ہے۔ اور اگر کوئی جاننا چاہے تو نہیں جان سکے گا۔ آپ کمپیوٹر کے اوپر کوئی ایسا problem ڈال دیں جسے وہ حل نہ کر سکتا ہو تو کمپیوٹر hang ہو جائے گا۔ کیلکولیٹر کے اوپر اتنا بڑا عدد ڈال دیں تو وہ error دے دے گا۔ اسی طرح اگر دماغ کے اوپر کوئی اتنی بڑی چیز ڈال دو جس کو آپ سنبھال نہ سکو تو پاگل ہو جاؤ گے۔ لہٰذا انسان کو اپنی طاقت سے زیادہ اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے، جتنی طاقت ہے، اتنا ہی بوجھ ڈالنا چاہئے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ آپ کی نگاہ کو وسعت عطا فرمائے، سماعت کو وسعت عطا فرمائے، دماغ کو وسعت عطا فرمائے، اور یہ اللہ کا کام ہے، بہر حال پھر اتنی سکت آپ میں آتی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبد الحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "منصور بچہ بود" کہ منصور تو بچہ تھا کہ ایک گھونٹ میں مست ہو گیا، یہاں تو لوگ ساغر کے ساغر پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا ظرف بڑا ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا ظرف چھوٹا ہوتا ہے۔ اور جن کا ظرف چھوٹا ہے، ان کو بڑی چیز نہ دیا کرو، وہ چھلک پڑے گا اور نہیں سنبھال

سکے گا۔ اس وجہ سے بعض دفعہ نہیں دیا جاتا، اس وجہ سے روکا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ من ذلک) اللہ تعالیٰ کسی کو علم نہیں دینا چاہتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس درجے کا بنایا، وہ اللہ تعالیٰ کو پتا ہے۔ لہٰذا جو راز کی باتیں ہیں یعنی جو معرفت کی باتیں ہیں، وہ اس درجے تک بتائی جاتی ہیں جس درجے تک انسان ان کو برداشت کر سکتا ہے۔ ورنہ صحیح بات یہی ہے، یہ میں نے ظاہری چیزوں کے بارے میں باتیں بتائی ہیں، جب ظاہری چیزوں میں یہ صورتحال ہے تو باطنی علوم کا کیا حال ہو گا۔ اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے۔ یہی مقامِ حیرت ہے کہ جب انسان اس درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ کڑیاں نہیں سلجھا سکتا، درمیان وہ فاصلے نہیں ملا سکتا، تو پھر وہ حیرت میں چلا جاتا ہے۔ ایک حیرت اس کی ہوتی ہے کہ انسان برداشت کر لے اور ایک حیرت اس کی ہوتی ہے کہ انسان برداشت سے باہر ہو جائے۔ جس کی برداشت سے باہر ہو جائے، وہ مجذوب ہو جاتا ہے۔ اور جو برداشت کر لے، وہ عارف ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھے ذکر زیادہ نہیں دیتے تھے، سب کو دیتے تھے مگر مجھے نہیں دیتے تھے۔ یہ میں نے بارہا آپ کو بتایا ہے۔ کیا ذکر نہیں دینا چاہتے تھے؟ نہیں! دینا چاہتے تھے، جو لوگ ذکر نہیں کرتے تھے ان سے حضرت ناراض ہوتے تھے۔ حضرت شکایت کرتے کہ لوگ ذکر نہیں کرتے۔ جب کہ میں لینا چاہتا تھا مگر مجھے نہیں دیتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک کیا مجھے نہیں دینا چاہتے تھے؟ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ حضرت میری الگ طریقہ سے تربیت کر رہے تھے، جو حضرت ہی کو پتا تھا۔ لہٰذا کافی عرصہ کے بعد ایک موقع پہ فرمایا: اب جتنا مرضی ہے ذکر کرو اور جو مرضی ذکر کرو۔ اب ایک طرف تو مجھے ابتدا والا ذکر بھی کم دے رہے تھے اور اب فرمایا رہے ہیں کہ جتنا مرضی ذکر کرو، جو مرضی ذکر کرو۔ اب یہ کیا چیز ہے؟ ظاہر درمیان میں کوئی بات تو تھی۔ سالہا سال اس میں لگے ہیں۔ جیسے بعض چیزیں بڑی ہلکی آنچ سے پکائی جاتی ہیں۔ جیسے کیمیا والے کہتے ہیں: تھوڑا سا آگ کا مسئلہ ہو گیا۔ وہ بیچارے اس میں لگے ہوتے ہیں، حالانکہ آج کل سب کو پتا ہے ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ بہر حال جو چیز ہلکی آنچ سے پکائی جاتی ہے اگر آنچ کو تھوڑا سا تیز کر دیا جائے تو وہ خراب ہو جاتی ہے۔ حضرت نے میرے ساتھ یہی معاملہ کیا۔ اس لئے عرض کرتا

ہوں کہ شیخ پہ بات چھوڑ دو، اب اگر میں شیخ سے کہتا کہ حضرت آپ سب کو ذکر دیتے ہیں، مجھے کیوں نہیں دیتے۔ تو یہ میری طرف سے گستاخی ہوتی، محرومی ہو جاتی۔ حضرت کا اپنا ایک طریقۂ کار تھا، اس طریقۂ کار کے مطابق مجھے دے رہے تھے۔ بس یہی میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ بھی جتنا دیا جائے اس کو سنبھالنے کی فکر کریں، آگے مزید لینے کی اہلیت پیدا کریں۔ اہلیت پیدا کریں گے تو خود دیا جائے گا، اہلیت نہیں ہو گی تو مانگو گے تو خواہ مخواہ خار کھاؤ گے۔

ابھی بھی میرے پاس بعض لوگوں کے میسجز پڑے ہوئے ہیں، جن میں وہ پوچھتے ہیں کہ حضرت میں مراقبہ کروں؟ میں نے ان کو جواب دیا ہے کہ ہر چیز اپنے وقت پہ ہوتی ہے، جب وقت آ جائے گا تو آپ کو دے دیا جائے گا، فی الحال جو میں نے آپ کو دیا ہے وہی کرو۔ اس وقت فی الحال تم مراقبہ کی پوزیشن میں نہیں ہو، اور اگر کرو گے تو تمہاری ہمت ٹوٹ جائے گی، تم سے ہو نہیں سکے گا۔ نتیجتاً تمہیں پریشانی ہو گی، اس لئے میں آپ کو نہیں دے رہا، آپ کو اپنے وقت پہ ملے گا۔ ہم یہی بات کرتے ہیں کہ ہر چیز کا اپنا اپنا وقت ہوتا ہے جب وقت آ جاتا ہے، خود بخود دے دی جائے گی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دی ہے، کہتے ہیں، ایک خاتون کا بچہ ہونے والا تھا، اس کو ہسپتال میں داخل کرایا گیا، نانی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بچی نے کہا کہ میں سو رہی ہوں، جب یہ مرحلہ آ جائے تو مجھے جگا دینا۔ نانی نے کہا: جب وہ مرحلہ آ جائے گا تو تم سب کو جگاؤ گی، تجھے کوئی نہیں جگائے گا۔

بالکل یہی بات ہے کہ جس وقت دینے کا مرحلہ آ جائے گا، خود بخود دے دیا جائے گا۔ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ لیکن جب تک وہ مرحلہ نہیں آیا، اس کے لئے کوشش کرنا، چیخ و پکار کرنا، یہ سب منفی چیزوں میں آئیں گی۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس سے بچائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

توضیح المعارف

﴿قسط نمبر: 12﴾

فلسفۂ سائنس اور معرفتِ الٰہی

﴿ساتواں حصہ﴾

فاطر و مفطور کے درمیان اتحاد اور مغائرت:
قرآن مجید کی دو آیات سے استدلال

قرآن مجید کی ایک آیت (وَمَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً) (آل عمران:191) سے یہ سبق ملتا ہے کی یہ تمام مخلوقات بالکل بے حیثیت نہیں بلکہ فاطر و خالق کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ (سُبْحَانَكَ) ہے وہ اور دوسری آیت (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) (الشوری: 11) مغائرت کے پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔

فاطر و مفطور کے درمیان نسبت ایک ایسی نسبت ہے، جس میں مغائرت (الگ الگ ہونا) بھی ہے اور ایک طرح کا اتحاد بھی ۔ اس کی مثال سمجھ لیں۔ مثلاً اس driving simulator میں سامنے ڈرائیونگ سیکھنے والا شخص بیٹھا ہے۔ اس کے پاس کچھ controls مثلاً سٹیرنگ، ٹائر، بریک، ایکسلریٹر وغیرہ ہیں۔ جن کی وجہ سے سکرین پر نظر آنے والی گاڑی مڑتی، رکتی یا تیز ہوتی ہے۔ اب اس ڈرائیور اور سکرین پر نظر آنے والی چیزوں میں ایک طرح کا اتحاد بھی ہے اور مغائرت بھی۔ اگر حقیقت دیکھی جائے تو دونوں بالکل مختلف ہیں۔ سکرین پر نظر آنے والی چیزیں محض artificial ہیں جبکہ ڈرائیور اپنا ایک مکمل حقیقی وجود رکھتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اس کی حرکات سے کنٹرول ہونے والی سکرین پر موجود گاڑی، اس کے اور سکرین کے artificial environmet میں ایک طرح کا اتحاد بھی ظاہر کر رہی ہے کہ ادھر بریک پر پاؤں رکھا اور وہ چیز رک گئی۔ ادھر ایکسیلیریٹر دبایا اور گاڑی چل پڑی وغیرہ وغیرہ

اس سے ان کا اس ڈرائیور کے ساتھ اتحاد محسوس ہوتا ہے لیکن دوسری طرف پوری سکرین آف ہوجائے تو ڈرائیور پر ذرا فرق نہیں پڑتا اس سے مغائرت ثابت ہوتی ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی حقیقت کے بارے میں سائنس کی دریافت، اس چیز کے بارے میں عوام کے اندر پائے جانے والے ادراک (perception) سے مختلف ہوتی ہے۔ لیکن مثالوں میں اس سائنسی حقیقت سے قطع نظر کر کے عمومی ادراک (perception) کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ مثلاً آئینہ کی گذشتہ مثال میں آئینہ کو قیوم اور اس میں نظر آنے والے عکوس کو ظلال کہا گیا۔ اگرچہ سائنس کے مطابق تصویر آئینے میں نہیں بلکہ آنکھ کی مدد سے دماغ کے vision center میں بنتی ہے۔

یہ اصول صرف صوفیائے کرام ہی نہیں بلکہ فقہائے کرام بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً فجر اور مغرب کی نمازوں کے اوقات کے تعین کے لئے سورج کے طلوع اور غروب کے اوقات کا مشاہدہ درکار ہوتا ہے۔یہاں بھی فقہاء actual کی جگہ apparent sunset پر فیصلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ سائنس کے مطابق روشنی کہ لہروں (Light rays) کی refraction کے رجحان (phenomenon) کی وجہ سے دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

تصوف کی چند اہم اصطلاحات:

فاطر یعنی خالق کی ذات کو لاہوت بھی کہتے ہیں ۔

تجلیات اسمائے الٰہی جس میں نفسِ کلیہ بھی آتا ہے کو جبروت کہتے ہیں اور ارواح و امثال کو ملکوت کہتے ہیں اور اجسام اور اجسام کے تابع جو عوارض و قوٰی ہیں ان کو ناسوت کہتے ہیں ۔

وجود منبسط یا شخص اکبر:

حکیم کے خیال کے domain میں کسی بھی تصور سے پہلے جو وسعت یا expansion پائی جاتی ہے اور جس وسعت میں اس کی خیالی سلطنت سماتی ہے، اس کو وجودِ منبسط یا شخصِ اکبر کہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس شخصِ اکبر میں انسانوں کے اندر پائے جانے والے تین لطائف عقل، قلب اور نفس کے مانند universal لطائف پائے جاتے ہیں۔ ان میں ہر لطیفہ پوری کائنات کی پر چھوٹی بڑی چیز میں جاری ساری ہوتا ہے۔ مثلاً ہم جسمِ انسانی میں بیرونی جراثیم بیکٹیریا کے مقابلے میں حیرت

انگیز مربوط مدافعتی (defensive) نظام پر غور کریں یا ٹوٹی ہڈی کے جڑنے کے بظاہر خودکار نظام پر غور کریں تو ہمیں ہر جگہ یہ universal عقلی لطیفہ کار فرما نظر آتا ہے.

اوپر کی مثالوں (ڈرائیونگ simulator، حکیم کی خیالی سلطنت) سے جب یہ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذات تک مشاہدے یا عقل کی رسائی ممکن نہیں تو پھر صوفیائے کرام کی کوششوں مراقبات وغیرہ کا مقصد کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے مراقبات کا مقصد اصل کو simulate کر کے ایک ایسی کیفیت کو حاصل کرنا ہوتا ہے، جو اصل کو حاصل کرنے سے حاصل ہوتی۔ مثلاً کیفیتِ احسان سے ایسی عبادت کی کوشش کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے پر ادا ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کوشش کو ہی اصل consider کر لیا جاتا ہے۔ یہ تب ہو سکتا ہے جب اس کے موانع دور ہو جائیں چونکہ اس کا سب سے بڑا مانع ہمارا نفس ہے اس لئے اس کیفیت تک پہنچنا نفس کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کیفیت احسان مراقبہ تو نہیں لیکن مراقبہ اس کا اولین ذریعہ ضرور ہو سکتا ہے۔

مجدد الف ثانیؒ کے ایک قول کا مطلب:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ موجود ہے مگر قطعاً بغیر کسی وجود کے موجود ہے۔

اس سے مراد حضرتؒ کی یہ ہے کہ اللہ کی ذات موجود ہے اور ایسا موجود ہے کہ واجب الوجود وہی ہیں اور باقی موجودات اس کے ارادے سے موجود ہیں اور ظلال ہیں تو اپنے ان مخلوقی وجود کے ذریعے اللہ موجود نہیں جس کو ہم وجود سمجھتے ہیں کیونکہ وہ تو خود اس کا پیدا کردہ ہے اس کے ذریعے کیسے موجود ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ تو اس سے پہلے موجود ہے۔ ہم جس کو موجود سمجھتے ہیں تو وہ یہ ہوتا ہے کہ خارج میں یعنی اس کائنات میں کوئی موجود ہو تو کائنات جب خود اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے تو اس کے ساتھ وہ کیسے موجود ہوسکتے ہیں؟ اس کے لئے ایک علمی بات کو سمجھنا بہت مفید ہے وہ یہ کہ کسی چیز کی تعریف اگر کرنی ہو تو اس میں جس کی تعریف کی جارہی اس کا استعمال ممنوع ہوتا ہے کیونکہ اس کی تعریف ہورہی ہے۔ اسی طرح جو وجود اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس کے ذریعے وہ کیسے موجود ہو سکتا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ایک عمیق اور کارآمد تحقیق:

بات تو حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کی صحیح ہے لیکن عوام کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی۔ عوام کئ نزدیک چیزیں یا ذہن میں پائی جاتی ہیں یا خارج میں پائی جاتی ہیں یا نہیں پائی جاتیں جیسے عدمات، پس اللہ تعالیٰ کیا ذہن میں محض خیال میں پائے جاتے ہیں یا خارج میں پائے جاتے ہیں یا نہیں پائے جاتے کیونکہ عوام کائنات سے باہر کا سوچ نہیں سکتے تو ایسی صورت میں عوام کے لئے اتنی رخصت ہے کہ وہ یہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ خارج میں پائے جاتے ہیں لیکن اس طرح نہیں جیسے اور موجودات جو مخلوقات ہیں پائی جاتی ہیں بلکہ اس کے لئے ان میں کوئی مثال موجود نہیں۔ (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) اس کے لئے فرمایا گیا ہے۔ عوام کے لئے یہ ادراک تقریباً ناممکن ہے کہ ایک ایسی برتر ہستی ہے جس کا مؤطن یہ نہیں جس میں اس کے ظِلال ہیں یعنی اس کے مخلوقات۔ اتنی رخصت شریعت اس میں دیتی ہے (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) (البقرہ: 286) کے قانون کے تحت جیسا کہ سمیع و بصیر اللہ کو کہنے کی اجازت دی لیکن ساتھ یہ ہے کہ اس کا دیکھنا اور سننا اس طرح نہیں جس طرح اس کے مخلوق کا سننا یا دیکھنا ہے۔

سافٹ وئر کی وجہ سے سکرین پر نظر آنے والی قسم قسم کی چیزوں اور خود سافٹ وئر کے کوڈ کے درمیان جو نسبت ہے، اس کی مثال دے کر فاطر و مفطور کے تعلق کو جو سمجھایا گیا تھا، اس میں ایک چیز رہ گئی تھی۔ وہ یہ کہ مفطور، مخلوق یا ممکن میں جو ارادہ اور اختیار کی صفت ہے، وہ اس مثال میں نہیں پائی جاتی کیونکہ سکرین پر نظر آنے والی چیزیں سافٹ وئر کی ہدایات کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز پر قادر ہیں اس لئے وہ اپنے تخلیق کردہ مخلوق جن کی حیثیت ظلال کی سی ہے،ان میں اختیار کی صفت ڈال سکتے ہیں۔ (وَمَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا) (آل عمران:191) میں اس کی تائید ہے لیکن ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر کوئی اثر نہیں۔ اس کے لئے (سُبْحَانَكَ) فرمایا۔

جملہ معترضہ:

آج کل artificial intelligent system کی اصطلاح جو استعمال ہوتی ہے، وہ درست نہیں ہے۔ اس کی اصل حقیقت intelligently programmed system ہے۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی کے شب و روز

الحمد للہ، خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آج کی بات

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

درسِ قرآن

ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم

مطالعہ سیرت بصورت سوال

جمعۃ المبارک:

کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان

ختم قرآن، مجلسِ درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا (عصر اور مغرب کے درمیان)

ہفتہ:

حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلوکِ سلیمانی" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" کا درس (بعد نمازِ مغرب)

بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے، جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد انفرادی ذکر، نمازِ مغرب اور اوابین کے بعد جوڑ بیان اور مجلسِ ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد منزل جدید کی تلاوت، سورہ ملک کی تلاوت، ختمِ خواجگان، مجلسِ درود شریف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ" سے تعلیم، کھانے پینے اور سونے کے آداب و سنن کی تعلیم، کھانا، آرام، نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق

اتوار:

(خواتین کے لیے اصلاحی بیان) دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ۔ نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔

فرض عین علم کی تعلیم (بعد نمازِ مغرب)

انگریزی میں بیان (رات 8 بجے)

پیر:

پشتو میں بیان (بعد نمازِ عصر)

اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات (بعد نمازِ مغرب)

منگل:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب مثنوی شریف کا درس (بعد نمازِ مغرب)

بدھ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے درس (بعد نمازِ مغرب)

جمعرات:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سیرت النبی ﷺ" سے درس (بعد نمازِ مغرب)

درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کر کے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کر کے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے 0315 5195788

www.tazkia.org